عبرتہای عاشورا

حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای

کے دو مضامین

مقام معظم رہبری حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای

عبرتہای عاشورا و تاریخ

(حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے دو مضامین)

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔ کراچی

تعداد : ۱۰۰۰

طبع : ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ اپریل ۱۹۹۸ء

ہدیہ : ۱۵ روپیہ

ناشر : خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کراچی

بسمہ تعالیٰ

مقدمہ

عاشورا جلوہ ہے اس ایثار و عشق کا' اس جاں نثاری اور شجاعت کا' شیر دل خواتین اور مردوں کی بہادری کا جنھوں نے اسلام اور الٰہی قدروں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردیا اور دین کے دشمنوں کے مقابلے پر کسی قسم کی کوتاہی یا سستی نہ دکھائی۔ اس روز کربلا میں دو صفیں ایک دوسرے کے سامنے صف آراء تھیں۔ ایک وہ جو عزت و عظمت کی بلندی پر تھی اور دوسری وہ جو ذلت اور غلامی کی پستیوں میں گری ہوئی۔ وہ بشری خداؤں کی غلامی کی ذلت سے انسانیت کو نجات دلانے کے لئے جنگ کر رہے تھے اور یہ شرفاء مرد اور شیر دل خواتین کو ذلیل کرنے کے لئے جبکہ عزت و عظمت ان لوگوں کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ قرب الٰہی کو حاصل کرنے اور سیر الی اللہ کے راستے کو روشن کرنے کے لئے اپنی جان اور اپنے مال کا خدا سے سودا کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دنیا کو چند روزہ جھوٹی لذتوں کی خاطر یزید اور ابن زیاد کی غلامی کو خرید لیا تھا۔ انہوں نے انسانوں کو عزت سے زندگی گذارنے کا سبق سکھایا اور انہوں نے ذلت اور کمزوری کا' وہ تاریخ انسانیت میں تحریک اور امید کا نقطہ بن گئے اور انہوں نے شمع کی مانند جل کر دوسروں کو روشنی بخشی۔ انہوں نے انسانیت کے تنزل اور زوال کی انتہا کا مظاہرہ کیا۔ وہ تاریخ کی شمع بنے اور یہ انسان کے کمال کی راہ کی رکاوٹ بن گئے۔ وہ انسانیت کے جوامع میں رونما ہونے والے انقلابات اور جوش و خروش کا منشاء قرار پائے اور یہ انسان کی پیاسی روح کو خواری و بے عزتی اور بے حسی سے تسکین کرنے والے' وہ اسلام اور انسانیت کے خدمت گزار اور یہ انسانیت اور الٰہی قدروں سے خیانت کرنے والے' ان پر خدا کی رحمت اور درود ہو اور ان پر خدا کی لعنت اور نفرین ہو۔

ہاں حسینؑ روشن و درخشاں چراغ ہیں' اس راستے کا جس پر دین کو زندہ کرنے والے اور آزادی کی جنت میں زندگی گزارنے والے چلنا چاہتے ہیں۔ حسینؑ سے عشق کے معنی ہیں الٰہی قدروں سے عشق نہ کہ ہویٰ و ہوس سے' حسینؑ سے محبت یعنی تمام اچھائیوں سے

دوستی اور تمام برائیوں سے دشمنی نہ کہ لاپرواہی اور خیانتوں کو ڈھک دینا۔ اسی لئے حضرت امام حسینؑ کے دوست وہ ہیں جو اچھائیوں کو پسند کرتے ہیں اور الٰہی قدروں پر عمل کرتے ہیں اور ان کے دشمن وہ ہیں جو قدروں اور اچھائیوں کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں۔ یہی حسینؑ کے شیعہ ہونے کی ذمہ داری ہے۔

اگرچہ تاریخ میں عاشورا کے واقعے کے بعد سے بے شمار اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں ہونے والی تحریکوں اور انقلابوں کی جڑ کو حضرت امام حسینؑ کی تحریک اور رزم سمجھا گیا اور اس صدی میں ہمارے سامنے ایران کے اسلامی انقلاب کی مثال موجود ہے۔ عاشورہ انسان کے اندر چھپے ایک راز کا مفسر اور مبین ہے جو زمین پر خدا کا خلیفہ تھا اور ملائیکہ اس سے بے خبر تھے۔ خداوند نے ان سے فرمایا **انی اعلم مالا تعلمون** "جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے"۔ اس واقعے کے بعد پیغمبر اکرمؐ کی حدیث کہ وہ حسینؑ سے ہیں سمجھ میں آتی ہے کہ **حسین منی وانا من حسین** ایک اور حدیث **مثل اهل بیتی کمثل سفینته نوح فمن رکبها نجی ومن ترکها غرق** (یعنی اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی مثال ہے کہ جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جس نے اسے ترک کر دیا وہ غرق ہو گیا)۔ اور **ان الحسین مصباح الهدی سفینته النجاة** (حسینؑ ہدایت کا چراغ ہیں اور نجات کی کشتی ہیں)۔ اسی سلسلے میں ہیں۔ ان احادیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہوگا کہ واقعہ عاشورا کا درک کیا جائے اور اس کی عظمت کو سمجھنا ہوگا جسے حسینؑ ان کے اہل بیتؑ اور اصحاب نے پروان چڑھایا لیکن ہمیں یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ اب بھی اس حادثہ کی گہرائی اور نظر کے زاویے لوگوں کے لئے روشن نہیں ہوئے ہیں۔ امام خمینیؒ نے کئی بار یہ فرمایا کہ اسلام کو محرم اور صفر نے زندہ رکھا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب عاشورا کا مرہون منت ہے لیکن عاشورا میں کونسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے اسلام کی زندگی اس سے ہے اور دنیا کے آزادی پسند اسی سے درس لیتے ہیں۔

یہ مسئلہ بھی کئی اور مسائل کی طرح عاشورا کے سلسلے میں اہمیت کا حامل ہے اور وہ ذمہ داری جو یہ واقعہ ہم پر عائد کرتا ہے ان ایام میں ہماری عزاداری کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے زیادہ تجزیہ اور تحلیل کی ضرورت ہے۔ لوگ اپنی بے زبانی کی زبان میں علماء اور زعماء دین سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ان مسائل کو بیان کرنے کے لئے کوشش کریں۔ رہبر معظم حضرت

آیۃ اللہ العظمیٰ خامنہ ای حسینی رزم نامے کے خادموں میں سے ایک چہرہ ہیں، جنہوں نے انقلاب سے پہلے بھی اور انقلاب کے بعد بھی اس سلسلے میں وضاحت کرنے والے بیانات اور تحریریں جہان اسلام کو پیش کیں۔ حضرت امام حسینؑ کے عاشورا کے بارے میں آپ کی دو تقریروں سے اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس مجموعہ کی اشاعت حسینیت کو زندہ رکھنے کے راستے میں ایک موثر قدم ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ خداوند عالم آیۃ اللہ خامنہ ای کو طویل عمر عطا کرے اور آپ کو اشرار کے شر سے اور حاسدوں کے کینہ سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

سید محمد حسین رئیس زادہ
ڈائریکٹر جنرل خانہ فرہنگ
جمہوری اسلامی ایران
کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''حضرت امام حسینؑ کی بلند پایہ اور منور شخصیت کے دو رخ ہیں۔ ایک چہرہ وہی جہاد' شہادت اور طوفان کا ہے جو تاریخ میں اٹھا اور اسی طرح یہ طوفان اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ دوبارہ برپا ہوگا جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ آپؑ کی شخصیت کا دوسرا رخ معنوی اور عرفانی ہے جو خاص طور پر دعائے عرفہ میں ایک عجیب شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں ایسی دعائیں کم ہیں جن میں درد' نظم خداوند سے توسل اس طرح کہ خدا کی مقدس ذات کے سامنے خود کو فانی محسوس کرنا سب شامل ہوں۔ یہ دعا نہایت عجیب دعا ہے۔ ایک اور دعا عرفات کے دن سے متعلق صحیفہ سجادیہ میں موجود ہے جو آپؑ کے صاحبزادہؑ سے منسوب ہے۔ میں نے ایک مرتبہ ان دونوں دعاؤں کا موازنہ کیا' پہلے حضرت امام حسینؑ کی دعا کو پڑھا پھر حضرت امام زین العابدینؑ کی دعا کا مطالعہ کیا۔ بارہا میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت امام سجادؑ کی دعا حضرت امام حسینؑ کی دعا کی شرح ہے گویا وہ متن ہے اور یہ اس کی تشریح' وہ اصل ہے' یہ فرع۔ آپ دیکھیں گے کہ بالکل یہی کیفیت حضرت امام حسینؑ کے اس خطبہ میں ملے گی جو آپؑ نے اپنے زمانے کی عظیم شخصیتوں' تابعین اور بزرگان دین کے سامنے منیٰ میں ارشاد فرمایا۔ کربلا اور عاشورا کے واقعے کی طرف آئیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود میدان جنگ ہونے کے آپؑ اپنے چہرہ مبارک کو کربلا کی تپتی ریت پر رکھ کر فرماتے ہیں **''الٰی رضا بقضائک وتسلیما'' لامر ک''**۔ ذکر' التجا' یاد اور توسل پہلے لمحے سے آخری لمحے تک آپؑ کے ساتھ ہے۔ مکے سے نکلتے وقت جب فرمایا **''من کان فینا باذلا مھجتہ موطنا علی لقاء اللہ نفسہ فلیر حل معنا''** دعا' توسل' وعدہ لقائے الٰہی اور وہی دعائے عرفہ کی کیفیت شروع ہوجاتی ہے یہاں تک کہ آخری لمحے قتل گاہ میں **''رضا بقضائک''** پر ختم ہوتی ہے۔

عاشورا کا واقعہ خود ایک عرفانی ماجرا ہے جس میں جنگ ہے' قتل کرنا ہے' قتل ہوجانا ہے۔ یہ ایک رزم نامہ ہے اور عاشورا کے رزم نامے چمکدار اور روشن باب کی طرح ہیں۔ جب آپ اس رزمی واقعے کے تانے بانے کو غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس میں عرفان ہے' معنویت ہے' التجا ہے اور دعائے عرفہ کی روح موجود ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی

شخصیت کا یہ دوسرا رخ بھی ان کی شخصیت کے پہلے رخ یعنی جہاد اور شہادت کی طرح اسی گہرائیوں سے یاد کیا جانا چاہئے۔ وہ نکتہ جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ شاید یقین سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ معنویت' عرفان' توسل' فناء فی اللہ' معشوق میں محو ہوجانا اور خدا کے ارادے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے عاشورا کا واقعہ اس قدر عظمت والا اور جاویدانی ہوگیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جہاد اور شہادت کے ایک سرے پر پروردگار اور دوسرے سرے پر مخلوق یعنی وہی عرفانی اور معنوی روح۔ بہت لوگ ہیں جو مومن ہیں' جہاد کے لئے جاتے ہیں' شہید بھی ہوجاتے ہیں' یہ شہادت ہے۔ شہادت سے ذرہ برابر بھی کم نہیں لیکن ایک شہادت ایسی بھی ہے جو روح ایمان سے بالاتر ہے' جو ایک تڑپتے دل' مشتعل روح' راہ خدا اور اس کی محبت میں بے تابی اور ذات صفات الٰہی میں غرق ہوجانے سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے جہاد کا کچھ اور ہی مزہ ہے جو ایک "حال" پیدا کرتا ہے۔ یہ عالم پر ایک عجیب اثر ڈالتا ہے۔

جنگ کے دوران ہم نے ایسے "حال" کے چند قطروں کا مشاہدہ کیا۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا امام خمینیؒ نے کہا تھا کہ ان شہادت پانے والے نوجوانوں کے وصیت ناموں کو پڑھو۔ اگرچہ اس سلسلے میں' میں نے ان سے کچھ سنا نہیں ہے لیکن میرے خیال یہ خشک و خالی نصیحت نہ تھی۔ خود امام خمینیؒ نے ان وصیتوں کو پڑھا تھا' جن کا ان کے قلم پر اثر تھا۔ اسی لئے وہ چاہتے تھے کہ دوسرے بھی اس سے بہرہ مند ہوں۔ میں خود جنگ کے زمانے میں اور اس کے بعد سے لیکر آج تک الحمدللہ ان وصیتوں سے مانوس رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح یہ وصیتیں عرفانی روح کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہیں۔ وہ راہ جو ایک عارف اور سالک تیس چالیس سالوں میں طے کرتا ہے' ریاضتوں کو جھیلتا ہے' عبادتیں کرتا ہے' اپنے بزرگ استادوں سے فیض حاصل کرتا ہے' کتنا گریہ و زاری' التجا و فریاد کے بعد اس راہ کو پاتا ہے۔ وہی ایک نوجوان کس طرح دس' پندرہ' یا بیس دنوں کے مختصر عرصے میں میدان جنگ میں گذار کر حاصل کرلیتا ہے۔ یعنی اس لمحے سے جب وہ محاذ جنگ پر گیا جو بھی مقصد لئے (ظاہر ہے کہ اس جوش اور ولولے کے ساتھ مقصد دین ہی ہوگا) ایک ایسی حالت پیدا ہوئی جو آہستہ آہستہ ایک جان نچھاور کردینے کے عزم اور اپنی ہستی کو مٹا دینے کے ارادے میں تبدیل ہوگئی۔ اس نے اپنے احساسات وصیتوں کی شکل میں لکھے۔ یہاں تک کہ عین

شہادت کے موقع پر یہ اس کی حالت اسی طرح سے لحہ بہ لحہ پر جوش' یہ قرب نزدیک اور یہ سفر تیز ہوتا چلا گیا۔ ان آخری ایام میں' ان آخری لحات میں اور ان آخری گھنٹوں میں اگر اس نے کوئی وصیت چھوڑی ہو تو وہ انسان کے دل پر تیر کی طرح اثر کرتی ہے۔

یہ نوجوان جنھوں نے اپنی یادیں قلم بند کیں اور شہید ہو گئے' ہمیں ان کی تحریروں میں جو خصوصیت بہت واضح نظر آتی ہے وہ ہے حسینیت کا جوہر' جس کے یہ قطرے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل میں معنویت ہے جو عاشورا کے واقعے کا محفوظ سرمایہ ہے۔ تاریخ میں باقی رہنے والا یہ وہ طوفان ہے کہ جس سے ہمیشہ ظلم و ستم کے محل لرزتے اور مغلوب رہے ہیں۔ تاریخ کے ہر موڑ پر جہاں کہیں اس طوفان نے سر اٹھایا ایسا کام کر دکھایا جیسا کہ اس دن انجام پایا تھا۔ مثلاً ہمارا انقلاب یہ عظیم واقعہ ہے جس کا اثر ہر لمحے زمانے کے ہر چوراہے پر دیکھا گیا ہے۔ کتنے ہی ظالموں کے سلسلوں کو مٹایا ہے' کتنے ہی کمزور اور ناتواں انسانوں کو قوت بخشی ہے' کتنے پس مستضعف ملتوں کو حوصلہ دیا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو خدا کی راہ میں قیام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارے زمانے میں بھی امام خمینیؒ کی فہم و فراست کی بدولت اس واقعے نے انقلاب کی کامیابی سے قبل' اسی پہلے طوفان کی مانند معاشرے میں ظہور کیا۔ یہ پروردگار سے اتصال' رابطے' حضور' ذکر' توسل اور توجہ کا نتیجہ ہے۔ ہمارے عزیز امام خمینیؒ خود بھی اسی طرح کے انسان تھے' حضور اور ذکر والے۔ آپ کے کام کی چمک بھی اسی سے تھی۔ قاعدے کی رو سے' جہاں تک ممکن ہے۔ آپؒ کے نفس کی تاثیر اسی واقعے سے رابطہ رکھتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ محترم عزیزوں سے عرض کروں کہ سپاہ پاسداران ہر محافظ اور ہر وہ شخص جس نے فوجی وردی نہیں پہنی اس بات کے قائل ہیں کہ وہ اسلام اور انقلاب کی امانت کے ذمہ دار ہیں' اپنی آج کی زندگی اور اپنی کل آنے والی زندگی میں اسلامی قدروں کے کردار کو مانتے ہیں۔ انہیں اس بات پر توجہ کرنا چاہئے کہ جنگ کے اختتام سے کام ختم نہیں ہو گیا ہے۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کو دس سال یا بیس سال گذر جانے سے کوششیں پوری نہیں ہو سکتیں کیونکہ اس بات کی واضح دلیل یہی ہے کہ دشمنوں' مداخلت کرنے والے عوامل اور معارض نے اصلاح اور فلاح کے نام پر تحریکیں چلانا بند نہیں کی ہیں۔ یہ صاحب تدبیر دشمن نے' ایسے دشمنوں نے جن کی دشمنی کسی ایک شخص سے نہیں یعنی دشمنوں کے محاذ

نے یہ سیکھا ہے کہ اسلامی انقلاب کے جیسی عظیم تحریک کا مقابلہ اگر سینہ بہ سینہ ممکن نہ ہو اور روک ٹوک کرنے والے زیادہ ہیں جیسا کہ اس انقلاب کے سلسلے میں انہوں نے محسوس کیا تھا تو راستہ یہ ہے کہ خود کو فی الحال دور کرلیں ایک پوشیدہ مورچے میں جا بیٹھیں اور موقع ہاتھ آنے کا انتظار کریں۔ یہ طریقہ بیسویں صدی کے تقریباً ہر انقلاب کے ساتھ انجام دیا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بیسویں صدی عیسوی عوامی تحریکوں اور انقلابوں کی صدی ہے جو ایک نصب العین' تفکرات اور نئی امنگوں پر مبنی ہے۔ انقلاب اس صدی کے اوائل میں روس کے سوشلسٹ انقلاب سے شروع ہوئے۔ اسی طرح جاری رہے جن میں بعض بائیں جانب کے اور بعض وہ جو مارکسٹ تفکرات سے زیادہ متاثر نہیں تھے' بہرحال انقلاب ہوتے رہے' ہمارے انقلاب سے پہلے بھی اور بعد بھی۔

دنیا میں چاروں طرف دسیوں انقلابات وجود میں آئے۔ جنہوں نے فوجی نظام برطرف کرکے عوامی حکومتیں قائم کیں۔ کام کے شروع میں ہی اپنے میدان میں جاکر کوشش کی اور کامیاب ہوگئے۔ بعض دوسرے تھے جنہوں نے شروع ہی میں ہمت ہار دی اور مغلوب ہوگئے۔ وہ جو کسی مشکل میں گھرے ہوئے تھے۔ مخل ہونے والوں کو نہ ہٹا سکے۔ اس لئے ان مداخلت کرنے والوں نے دخل اندازی کی' پروپیگنڈہ کیا' انہیں گھیر لیا اور تھکا دیا' خود کو مورچے میں چھپا کر ان کے تھکنے کا انتظار کیا تاکہ ان پر کاری ضرب لگا سکیں۔ تقریباً ایسا ہی کرچکے ہیں اور عام طور پر اس سلسلے میں کامیاب رہے ہیں۔ انقلاب کے مخالفین جو گوشہ نشین اور مغلوب ہوئے بیٹھے تھے۔ بعد میں سامنے آکر انہوں نے لگام سنبھال لی' مسلط ہوگئے اور اپنے مقاصد کو انجام دینے لگے۔ اسلامی انقلاب کے سلسلے میں دشمن کا نقشہ (نہ کہ افراد یا اشخاص کا) اسی پر مبنی تھا اور اسی کو نظر میں رکھا گیا تھا۔ ہمارے انقلاب کا کیا کہنا کہ ان اٹھارہ سالوں کی مدت میں حتیٰ ایک واقعہ بھی ایسا رونما نہ ہوا جو دشمن کے محاذ کو امید دلا سکے یا خوشحال کرسکے۔

ایک دن کی بات ہے کہ جب میں صدر مملکت کے عہدہ پر فائز تھا' ایک شخصیت جو کہ انقلابی سلسلوں کے ممتاز مقام پر تھی اور جو دنیا کے مشہور سیاست دانوں میں شامل ہے (میں ان کا نام لینا نہیں چاہتا) ان سے ان کے ملک میں ملاقات کی۔ انہوں نے اپنے انقلابی دعووں' اپنے بیانوں اور اپنے نصب العین کے برخلاف ایک کام انجام دیا تھا۔ میں نے ان

سے پوچھا کہ آپ نے کس طرح اور کس منطق کے تحت ایسا کیا؟ وہ ہنسے اور کہا کہ یہ ایک چال ہے! میں نے کہا کہ انسان اس وقت ایسا کرے کہ جب یہ عمل اس کی پالیسی کو بالکل بدل کر نہ رکھ دے جبکہ ایسا ہی ہوا تھا۔ ان کی پالیسی اور ان کا رخ بالکل بدل گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی ذمہ داری ٹیک ٹک پر رکھ دی اور کہا "میں فوجی مشق کر رہا ہوں' ایک چال پر عمل کر رہا ہوں" یہ کونسی ٹیک ٹک ہے کہ انسان اپنے ہی دشمن کو اپنے اوپر مسلط کر لے۔ کیا اپنی کہی ہوئی بات سے پھرنا چال ہے؟ اپنی جہت کو پلٹ دینا صحیح ہے؟۔ اسی طرح کے واقعات اس انقلاب کے کارناموں میں دیکھے گئے ہیں۔ دشمن کو لالچ دیتے ہیں' دشمن امیدوار ہو جاتا ہے' مورچہ کھولتا ہے' کامیاب بھی ہو جاتا ہے جبکہ تقریباً ہر جگہ کامیاب رہا ہے۔ ہمارے انقلاب کے سلسلے میں امام خمینیؒ جیسے بصیر اور دور اندیش' احکام الٰہی میں رعایت نہ برتنے والے' حکم خدا اور شرعی حلال و حرام کو معیار قرار دینے والے ہی تھے جو ان دس سالوں میں رکاوٹ بنے رہے۔ اس طرح کہ دشمن کو ذرا بھی رجحان یا میلان نظر نہ آیا۔ امامؒ کی رحلت کے بعد بھی خدا کے فضل و کرم سے یہی کوشش رہی ہے کہ ایسا ہی رہے۔ ایک وقت تھا کہ جب دشمن بعض افراد کے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار تھا لیکن زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ خدا کے فضل سے آج تک اس انقلاب نے اپنا ایسا رخ دکھایا ہے کہ دشمن امید نہیں لگا سکتا لیکن یہ بات سب جان رہیں کہ اب بھی دشمن گھات لگائے ہوئے ہے۔ وہ چیز جو انقلاب کو محکم بنائے اس ملت کی عظیم جہت گیری کو مضبوط کرے' فلاح و بہبود' عزت' رضائے الٰہی' دنیا کی سعادت اور اپنی آخرت کی طرف قدم بڑھانے میں مددگار ثابت ہو وہ حفاظت اور پاسبانی کا جذبہ ہے۔ اس کی ذہنیت' تیاری اور ہوشیاری ہے۔ یہ ذہنیت معنوی اور روحانی پہلوؤں پر منحصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے پاسدار بھائیوں' تمام انقلابی گروہوں' مختلف شعبوں میں حساس ذمہ داریوں پر فائز بھائی بہنوں کے معنوی اور روحانی پہلو کو مدنظر رکھنے اور لحاظ کرنے پر بھروسہ کیا ہے۔ یہی توجہ' توسل اور پروردگار سے ارتباط ہے جو فوجی طاقتوں کے استحکام اور اقتدار کی ضمانت ہے تاکہ وہ ہمیشہ دشمن کے مقابلے میں صف آرا رہیں اور دفاع کر سکیں۔ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر خدا سے یہ رابطہ کمزور پڑ جائے' انسان کی ہوس اس پر غالب آجائے' یہ ہوس انسان کی زندگی کے رخ کو موڑنے پر قادر ہو جائے تو اس وقت

دشمن سے مقابلہ کرنے کی قوت بھی کمزور پڑ جائے گی۔ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ انسان کبھی نہ کبھی اپنی نفسانی خواہش کے زیر اثر آجاتا ہے۔ یہ وہ چیز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ انسان کو پوری طرح اس راہ سے ہٹا دیا ہے بلکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ ہوائے نفسانی' مادی مفاد' معمولی خواہش انسان کی زندگی کے رخ کو معین نہ کریں' انسان کو زندگی کے راستے کو اس کے پاؤں کے نیچے نہ کچل دیں' یقین کرنے والا نہ بن جائیں اور راہ کو تبدیل نہ کردیں' یہ اہم ہے۔ جو چیز اس میدان میں نقصان کو گھٹاتی ہیں وہ معنوی اور اخلاقی مسائل' دعا' ذکر' توجہ' تہذیب نفس' خودسازی' اپنے اندر برے اخلاق کا مقابلہ کرنا ہیں۔ یہ بات اہم ہے۔

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو توجہ' دعا' ذکر کے لحاظ سے ان چیزوں کے حامل ہیں لیکن فاسد اخلاق جیسے خود غرضی' خود پسندی' کنجوسی' حرص' حسد و کینہ' ہر ایک کا برا چاہنا اور بدبختی کو اپنے اندر سے اکھاڑ کر نہ پھینک سکے ہیں اور اپنے کردار کو ان برائیوں کے اثر سے محفوظ نہ رکھ سکے ہیں۔ اس کے مدمقابل نقطہ وہ اخلاقی جنت ہے جو اسلام نے انسانوں کے لئے پیش کی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان ایک دوسرے سے مہربان ہوں۔ ایک دوسرے کی مصلحتوں کو سمجھنے والے' ایک دوسرے کی تکلیفوں اور غلطیوں سے اثر انداز اور افسردہ ہونے والے' ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے والے اور ایک دوسرے سے رحمدلی سے پیش آنے والے "وتواصوا بالمرحمۃ"۔ یہ دوستی و محبت' خیر خواہی اور عطوفت کا رشتہ بھائیوں' دوستوں' بہنوں' اسلامی امتوں کے درمیان ہونا چاہئے۔ یہ نہایت عالی اور ممتاز صفات ہیں۔ انہیں اپنے اندر مزید قوت بخشنی چاہئے۔ سب سے بری صفت انسان کے اندر یہ ہے کہ وہ خود کو اپنے مادی فوائد اور مصلحتوں کو محور قرار دے اور اس بات کے لئے تیار ہو کہ ایک انسان کو ذاتی خواہش اور ایک ذاتی حس کی تسکین کے لئے بے شمار انسانوں کو بدقسمتی اور نقصان کے دوراہے پر لاکھڑا کرے۔ اس کا علاج کیا جانا چاہئے۔ اسے اپنے دل سے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے۔ یہ معانی خود دعاؤں میں موجود ہیں۔ ایک عجیب بات ہے کہ (جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے) اگرچہ تقریباً تمام آئمہ علیھم السلام سے ماخوذ دعائیں اور ادعیہ ہم تک پہنچے ہیں لیکن سب سے زیادہ اور معروف دعائیں ان تین اماموں کی ہیں جو خود اپنی زندگی میں دراز مدت جنگوں میں درگیر رہے ہیں۔ ایک امیرالمومنین حضرت علیؑ ہیں کہ جن سے دعائے کمیل جیسی اور دعائیں نقل کی گئی ہیں جو ایک دنیا ہیں'

ایک ہنگامہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ سے مربوط ادعیہ ہیں جن میں سے دعائے عرفہ سرفہرست ہے۔ یہ دعا حقیقت میں ایک عجیب دعا ہے۔ ان کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ ہیں جو آپ کے فرزند' عاشورا کا پیغام پہنچانے والے' یزید کے ظلم کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے ہیں۔ ان تینوں اماموں کی دعائیں سب سے زیادہ ہیں کہ جن کے مقابلے میں دشمنیاں بھی سب سے زیادہ واضح اور عیاں تھیں۔ ان دعاؤں میں درس بھی سب سے زیادہ ہیں۔ آپ اسی اخلاقی خصوصیت کو صحیفہ سجادیہ میں دیکھیں گے۔ میں آپ میں سے ہر ایک کو یہ نصیحت کروں گا کہ جہاں تک ہوسکے صحیفہ سجادیہ سے انس پیدا کریں۔ یہ بڑے عظیم کتاب ہے جیسا کہ اسے زبور آل محمدؐ کہا گیا ہے واقعی ایسا ہی ہے۔ معنوی نغموں سے پر' دعا اور درس ہیں' اخلاق کا درس' علم النفس کا درس' اجتماعی امور کا درس ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

الھم انی اعوذ بک من ۔ ھیجان الحرص وسورۃ الغضب و الحاج الشھوۃ ایک ایک کرکے ان معنوی اور اخلاقی خصوصیتوں کو اور ان فاسد جڑوں کو جو ہمارے نفس کے اندر موجود ہیں۔ ان کا دعا کی زبان میں تعارف کرایا جارہا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ ان کے علاج کے لئے خدا سے دعا کریں جب خدا سے راز و نیاز کریں اور جن چیزوں کو خدا سے مانگے ان میں سے ایک یہی نفسانی اور اندرونی مشکلات کے علاج کی دعا ہونی چاہئے۔ جس معاشرے کا ایک بڑا طبقہ اس خصوصیت کے ساتھ پرورش پائے گا۔ اس میں دشمن کا کوئی حیلہ یا فریب کارگر ثابت نہ ہوگا۔ ہمارا معاشرہ الحمد اللہ نوجوانوں کا معاشرہ ہے کیونکہ اس میں اکثریت نوجوانوں کی ہے جو آئندہ کچھ سالوں تک رہے گی جب تک کہ اگلے نسلوں کی پیدائش ہو۔ فی الحال ہمارے معاشرے کی صورت نوجوان ہے جو انسانوں کے لئے الٰہی فضل کا مظہر ہے۔ جوان خوشگواری اور خلوص کی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ بعض کمزور نقطوں کی وجہ سے دشمن جوان نسل کے خلاف پروگرام بناتا ہے جبکہ اس کے علاوہ جوانوں میں زیادہ تر قوی نقطے پائے جاتے ہیں۔ اگر معاشرے میں توجہ اور توسل' معرفت کے ہمراہ ہو' معرفت کے ساتھ ساتھ توسل نہ کہ اس کے بغیر یعنی توسل الی اللہ کے وہ صحیح معنی جو ہمیں قرآن' آئمہ کی روایات اور نہج البلاغہ سے حاصل ہوئے ہیں' رواج پاجائیں' صحیفہ سجادیہ سے بھی اس سلسلے میں استفادہ کیا جائے' خود آپ اور وہ جوان جن سے آپ کا ملنا جلنا

رہتا ہے‘ خود آپ کی اولاد جو دیکھتے ہی دیکھتے جوان ہو جائے گی‘ انھیں اس معنوی مقام اور مرحلے‘ توجہ حضور قلب سے آشنا کیجئے۔ یہ بھی حضرت امام سجادؑ کے الفاظ میں جو صحیفہ سجادیہ اور اس طرح کی چیزوں میں موجود ہیں‘ تو پھر اس وقت یہ معاشرہ ایسا ہو گا ہر متکبر دشمن کو چاہئے کہ واقعی اس سے ڈرے‘ معاشرے میں جذب ہو جانے یا اسے ہضم کر لینے کے سلسلے میں بالکل مایوس ہو جائے۔ جب تک کہ اسلام کی روح‘ اسلام کی معنویت‘ اسلام کی پیروی اور اسلام پر عقیدہ معاشرہ میں باقی رہے گا‘ کوئی عامل اس ملت کو اور اس معاشرہ کو اسلامی انقلاب کے صحیح راستے سے منحرف نہیں کر سکے گا۔

مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انشاء اللہ آپ سب کو توفیق عنایت کرے گا۔ خداوندا ہمارے سارے نوجوانوں کو توفیق عنایت فرمائے کہ وہ ان نورانی راہوں‘ احکام‘ تعالیم اور مصارف سے مستفید ہوں نہ صرف خود اس راستے کو طے کریں اور اس کی برکات سے فائدہ اٹھائیں بلکہ اس ملت اور اس ملک اور آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی حضرت ولی عصر (ارواحنا فداہ) کی توجہ کے زیر سایہ بہرہ مند کریں۔

والسلام علیکم رحمتہ اللہ برکاتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اللھم سدد السنتنا بالصواب والحکمۃ

میرے معبود ہماری زبانوں کو حکمت اور درستی پر قائم رکھ۔

اسلامی تہذیب کی نمایاں چیزوں میں سے ایک جو صدر اسلام کی تاریخ میں زیادہ واضح اور طویل مدت تک کمتر واضح مصداق کی صورت میں موجود رہی ہیں۔ جہاد اور مقابلے کی ثقافت ہے۔ جہاد صرف وہ جہاد مراد نہیں ہے جو میدان جنگ میں ہو بلکہ ہر وہ چیز جس میں جدوجہد اور کوشش ہو اور دشمن کے مقابلے میں ہو۔ یہی جہاد ہے۔ توجہ رکھئے گا ممکن ہے کہ بعض لوگ کوئی کام انجام دیں تکلیف اٹھائیں اور یہ کہیں کہ ہم جہاد کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں جہاد کی ایک شرط یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ مقابلے میں ہو۔ البتہ ایک وقت جہاد میدان جنگ میں اسلحے کے ساتھ ہوتی ہے اسے "جہاد رزمی" کہتے ہیں۔ اور ایک وقت سیاست کے میدان میں جہاد ہوتی ہے یہ "سیاسی جہاد" ہے اور ایک وقت ثقافت کے میدان میں یہ جنگ لڑی جاتی ہے یہ "ثقافتی جہاد" ہے۔ اور ایک وقت تعمیری میدان میں جہاد ہوتی ہے یہ "سازندگی کی جہاد" ہے۔ البتہ اس کے لئے دوسرے بھی بہت سارے میدان ہیں اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ جدوجہد ہو اور پیہم کوشش ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں ہو۔

اسلامی تمدن میں یہ چیز اسی طرح نمایاں ہے اور مختلف میدانوں میں اس کی

مثالیں اور نمونے موجود ہیں آج بھی جس وقت سے حضرت امام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ساتھیوں کی زبان سے ۱۳۴۱ھ میں منحوس پہلوی حکومت کے خلاف مقابلے کی آواز ابھری تو یہ جہاد شروع کی گئی اور اس کی ابتدا اس وقت ہوئی اس سے پہلے بھی یہ جہاد جاری تھی مگر منتشر تھی۔ کم تھی، اور اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس نے اہمیت پیدا کی یہاں تک کہ یہ جہاد کامیابی سے ہمکنار ہوئی جو حقیقت میں انقلاب کی کامیابی تھی۔

اس کے بعد سے اب تک بھی یہ ملت مسلسل جہاد میں مصروف ہے۔ کیونکہ ہمارے سامنے دشمن موجود ہے۔ چونکہ ہمارے دشمن مادی اعتبار سے مضبوط ہیں۔ اور ہی ساتھ دشمنی پر مصر ہیں۔ دشمنی کے معاملے میں جمہوری اسلامی ایران کے ساتھ مذاق نہیں کر رہے ہیں کیونکہ ان کی خواہش ہے کہ جس طریقے سے بھی ہو اسے ٹھیس پہنچائیں۔

پس اسلامی ایران میں ہر وہ شخص جس نے کسی بھی پہلو سے اس دشمن کے مقابلے میں جس نے چاروں اطراف سے مملکت اسلامی کے پیکر، اور انقلاب اسلامی کو اپنے زہر میں بجھے ہوئے تیروں کا ہدف بنایا ہوا ہے کوشش کی ہے تو اس نے جہاد فی سبیل اللہ کیا ہے۔ بحمد اللہ جہاد کا شعلہ رہا تھا، ہے، اور رہے گا، البتہ ان جہادوں میں سے ایک جہاد فکری ہے اس کا مطلب یہ ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہمارا دشمن ہمیں غافل کر دے اور ہمارے تفکر اور سوچ کو خطا و اشتباہ سے دوچار

کرادے پس ہر کوئی جو لوگوں کے افکار کو روشن کرنے کے لئے کوشش کرے (سمجھو کہ) وہ ایک گمراہی کو روکتا ہے ایک برے سوچ کے سامنے حائل ہوتا ہے' یہ کام کیونکہ دشمن کے مقابلے میں ہے اس لئے جہاد ہے شاید آج کے دن بھی ایک اہم جہاد میں شمار ہوتا ہے۔

پس میرے عزیزو! آج ہمارا ملک جہاد کا مرکز ہے اس سمت سے ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے الحمد اللہ ہمارے ملک کے ذمہ دار اچھے لوگ ہیں اب بھی مجلس (مجلس شوریٰ) میں' مومن' متعہد و آگاہ' مجاہد و باہمت شخصیات ہیں۔ تمام معاملات پر توجہ رکھے رہو' ایک ایسی شخصیت جیسے کہ ہمارے صدر جمہویہ آقای ہاشمی رفسنجانی کی ہے جو ایک مجاہد و مبارز شخصیت ہیں جو اپنی تمام عمر جہاد میں گزرانے والوں میں سے ہیں۔ اور آج بھی شب و روز جہاد میں مشغول ہے۔ دیگر مختلف شعبوں کے ذمہ داران' جیسے اراکین مجلس شوریٰ' عدالتوں کے ارکان' مسلح جوان' ایک ایک فرد (غرض) سب کے سب حالت جہاد میں ہیں پس ہماری مملکت' مملکت جہاد فی سبیل اللہ ہے اس پہلو سے میری سنگین ذمہ داری یہ ہے کہ میں دیکھوں' نگاہ دوڑاؤں کہ یہ شعلہ جہاد کہاں فروکش ہوتا ہے۔ (یعنی بجھ جاتا ہے) پروردگار عالم کی تائید سے اسے بجھنے نہیں دوں گا' کہاں غلطی ہو رہی ہے اس کی نشاندہی کروں اس کو سامنے رکھو کہ یہ چیزیں میری اصل ذمہ داریوں میں سے نہیں ۔ میں ملک کی موجودہ صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے' جہاد کے وجود کے بارے

میں پریشان نہیں ہوں۔ آپ حضرت اس بات کو سمجھیں کہ قرآن میں ایک چیز موجود ہے جو ہمیں غور و فکر پر ابھارتا ہے ہم سے کہتا ہے تم نظر رکھو اور گزشتہ تاریخ سے عبرت حاصل کرو۔ آج ممکن ہے بعض لوگ بیٹھے ہوں اور فلسفہ بگھار رہے ہوں کہ ماضی آج کے لئے نمونہ عمل نہیں ہو سکتا بعض لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں گویا ان کے زعم میں یہ لوگ دوسروں کو فلسفی اسلوب اپنا کر سدھار لیں گے، وہ لوگ ایسا نہیں کر سکتے، اور ہمارا ان سے کوئی سروکار بھی نہیں ہے قرآن سچ مچ صادق و مصدق ہے اور ہمیں تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے تاریخ سے عبرت حاصل کرنا یعنی وہی پریشانی و انتظار کہ جس کا میں نے ذکر کیا۔ کیونکہ تاریخ ایک ایسی چیز ہے جس سے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے اس کے لئے چاہئے کہ غور و فکر کریں اور یہ غور و فکر آئندہ سے مربوط ہے کیوں؟ اور یہ غور و فکر مندی کس لئے؟ یہ پریشانی کس لئے؟ آکر کونسی افتاد آن پڑی ہے پس جو اتفاق و افتاد واقع ہوئی وہ صدر اسلام میں ہے میں نے ایک جگہ کہا تھا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں پر امت اسلامی کو غور و فکر کرنا چاہئے کہ وفات پیغمبرؐ کے پچاس سال بعد ہی اسلامی مملکت کا کام اسی حد تک پہنچا ہے، کہ اسی مسلمان عوام کے، امیر، وزیر، سردار، علماء، قاضی صاحبان، قاریان قرآن، کوفہ اور کربلا میں جمع ہوں اور انہی کے پیغمبرؐ کے نواسے کو ناپسندیدہ ترین طریقے سے خاک و خون میں غلطاں کریں۔ انسان کو چاہئے کہ سوچے، فکر کرے، کہ کس لئے ایسا ہوا؟ میں نے عاشورا کے عبرتوں

کے عنوان سے دو تین سال قبل عرض کیا ہے ایک گفتگو کے دوران کہ عاشورا کے دروس و اسباق جدا جدا ہیں جیسے عاشورا کا درس شجاعت' درس ایثار اور ان جیسی مثالیں 'مگر عاشورا کے درسوں میں سے ایک چیز عاشورا کی عبرتیں ہیں' میں نے اس سے قبل کہا ہے کہ حالت اس منزل پر پہنچی تھی کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے کوچہ و بازار میں حرم پیغمبرؐ کو لایا جاتا ہے اور ان پر خارجی کی تہمت لگا دی جاتی ہے خارجی کا مطلب ہے خوارج کا ایک حصہ یعنی جنہوں نے خروج کیا' کس کے خلاف؟ اسلام کی ایک ثقافت ہے کہ اگر کوئی امام عادل کے خلاف قیام کرے اس کے لئے خدا اور رسولؐ اور مومنین خارجی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں یعنی کوئی بھی شخص جو امام عادل کے خلاف قیام و خروج کرے' لہذا اس روز سے خارجیوں اور خروج کرنے والوں کی شان میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ "جس نے امام عادل کے خلاف خروج کیا' یعنی اسلام میں اگر کوئی امام عادل کے خلاف خروج کرے اس کا خون ہدر ہے' وہ اسلام کہ جو لوگوں کی خون کو اس قدر اہمیت دیتا ہے یہ لوگ (بنی امیہ) آئے ہیں کہ فرزند پیغمبرؐ فرزند فاطمۃ الزہراؑ و علی مرتضیٰ امیرالمومنینؑ" کو امام عادل کے خلاف خروج کرنے والے کی حیثیت سے پہنچوائیں اور ان کا وہ امام عادل یزید ابن معاویہ ہے' (اور اس حدیث سے کام لیتے ہیں) وہ لوگ جو ظالم حکومتوں کے نمک خور ہیں ان کا دل جو چاہے کہتے ہیں کس لئے؟ لوگ ان پر اعتبار کرتے ہیں؟ یہ لوگ کیوں ساکت و بے حس و حرکت رہتے ہیں؟ وہ چیز جو مجھے

پریشان کردیتی ہے وہ یہی مسئلہ ہے کہ کیا ہوا! کہ معاشرہ اسلامی کا حال یہاں تک آپہنچا' وہ مسلمان کہ جو جزوئیات احکام اسلامی اور آیات قرآن کے بارے میں اس قدر دقت اور حساسیت سے کام لیتے تھے ایک ایسے واضح مسئلے کے سلسلے میں اس قدر غفلت' کاہلی اور سہل انگاری سے دوچار ہوتے ہیں کہ سانحہ فاجعہ وجود میں آتا ہے یہی مسئلہ انسان کو فکر مند و پریشان کردیتی ہے مگر ہم تو پیغمبر اکرم اور امیرالمومنین کے زمانے کے معاشرے سے محکم و مستحکم تر معاشرے میں ہیں' کونسا ایسا کام کریں کہ ویسا نہ ہو۔ (یعنی جو ان کے زمانوں میں ہوا)؟ البتہ اس سوال کا جو ہم نے کہا ہے کہ کیا ہوا کسی نے جواب نہیں دیا۔ اس کا جواب خود میرے پاس ہے کسی نے اس سلسلے میں گفتگو نہیں کی ہے۔ میں یہی عرض کرتا ہوں' اس سلسلے میں بہت ساری گفتگو ہوئی ہے مگر کافی ووافی نہیں ہے آج میں اس سلسلے میں مختصر سی گفتگو کرتا ہوں البتہ اصل مسئلے کی نسبت سے مختصر ہوگی۔ میں اصل مسئلے کو آپ کے ذہنوں کے سپرد کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر تم خود غور و فکر کرو جو اہل فکر ہیں صاحب مطالعہ ہیں اس مطلب کا پیچھا کریں تحقیق کریں جو لوگ صاحب عمل ہیں تاریخ سے معلوم کریں کہ ایسا کیوں ہوا کہ اس مخمصے کا سامنا کرنا پڑا۔ آج اگر ہم اس قضیے کو کنٹرول نہ کریں تو ممکن ہے کہ دوسرے پچاس سالوں میں' دوسرے پچاس سالوں میں' اگلے دس سالوں میں اگر یہ کام بھی اس حالت تک پہنچے تو تعجب نہ کیجیے۔ مگر تیز بین آنکھیں گہرائیوں تک دیکھتی ہیں' ایک امین

نگہبان راستے کا پتا دیتا ہے۔ صاحبان فکر افراد ہدایت دیتے ہیں اس تحریک کو تقویت پہچانے کے لئے مضبوط اور مستحکم ادارے ہیں جب خلا کو پر کرنے والا مضبوط مواد ہوگا اور ایک مستحکم و مضبوط قلعہ ہو تب کوئی دشمن نفوذ نہ کرسکے گا' اگر ہم اسے آزاد چھوڑ دیں تو وہی صورتحال ہمارے سامنے آئے گی جو (صدر اسلام میں نہیں آئی تھی) اس وقت یہ سارا خون ھدر ہو جائے گا۔ اس عہد کی نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ ان لوگوں کا بیٹا ان لوگوں کا پوتا جو جنگ بدر میں امیرالمومنین اور حمزہ سید الشہداء کے ہاتھوں اور دیگر سرداروں اسلام کے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے ہیں' وہیں افراد کا فرزند "مسند پیغمبرؐ پر بیٹھ کر جگر گوشہ پیغمبرؐ کے سر اقدس کو سامنے رکھ کر اس کے ہونٹوں اور دانتوں پر خیزران سے جسارت کرتے ہوئے کہا تھا۔ **لیت اشیاخی ببدر شہدوا ○ جزع الحزرج من وقع الاضل○**

یعنی کاش ہمارے جنگ بدر کے بزرگ اٹھتے ہوئے دیکھتے کہ ہم نے ان کے قاتلوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ یہ ہوا اس غفلت کا نتیجہ یہی منزل ہے کہ قرآن فرماتا ہے عبرت حاصل کرو کہتا ہے' اے پیغمبرؐ کہو لوگوں سے کہ وہ زمین کی سیر کریں۔ **قل سیروافی الاض**○ کہ تاریخ کی سرزمین کی سیر کرو۔ دیکھو کہ کیا افتاد آن پڑی ہے میں انشاء اللہ ان معنوں میں اس لئے کہ ہمارے ملک کی موجودہ ثقافت جو کہ صاحبان فکر و نظر افراد کے وسیلے سے حرکت کرتی ہے اور راہ پاتی ہے۔ آپ کی

خدمت میں ایک مختصر گفتگو پیش کرتا ہوں۔

عزیزو! انسانوں کے مختلف گروہوں پر نگاہ کرو' نظریں دوڑاؤ کہ معاشرے' ہر شہر میں' ہر ملک میں لوگ ایک ہی نظر میں ایک کاٹ سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو اپنی فراست' فکر و آگاہی' ارادے کی پختگی کے سبب کام کرتا ہے۔ اور راہ کی پہچان کر لیتا ہے اور اس کے پیچھے حرکت کرتا ہے۔ اس کی اچھائی برائی سے چنداں سروکار نہیں رکھتا۔ اور ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جن کو ہم خواص کہتے ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو نہ صرف اس بات کا تعاقب کرتا ہے کہ یہ دیکھے کہ کونسا راستہ صحیح ہے اور کونسی تحریک صحیح ہے یا غلط۔ کہ اس کو سمجھیں' ترک کریں' غور کریں تحلیل و تجزیہ کرے اور دیکھیں کہ یہ کام اس طرح سے ہے بلکہ دیکھتے ہیں کہ ہوا اس طرف چل رہی ہے لہٰذا اس کے پیچھے حرکت کرتے ہیں ہم اس گروہ کا نام ہم عوام ہیں ان کے بارے میں ایک نکتہ عرض کرتا ہوں کہ اس مسئلے میں غلطی نہ ہو' یہ خواص کون لوگ ہیں کیا کوئی خاص قسم کے لوگ ہیں؟ نہیں! ان لوگوں کے درمیان کہ جن کے بارے میں ہم کہہ رہے ہیں خواص' ان میں پڑھے لکھے لوگ ہیں اور ان پڑھ لوگ بھی کبھی کوئی ان پڑھ ہے مگر جزو خواص ہے سمجھتا ہے کہ کیا کام کر رہا ہے ارادہ اور تشخیص کی روشنی میں کام کرتا ہے مگر اسکول نہیں گیا ہے درس نہیں پڑھا ہے اس کے پاس سند نہیں ہے۔ اس کے پاس روحانی لباس نہیں ہے مگر سمجھتا ہے کہ مسئلہ

کیا ہے۔ انقلاب کے دوران یعنی انقلاب کی کامیابی سے پہلے میں ایران شہر میں جلاوطن تھا ہمارے نزدیک کے چند شہروں میں سے ایک شہر کے چند افراد باقاعدہ ہمارے ساتھ ملاقات کے لئے آئے تھے ان میں سے ایک ڈرائیور تھا بظاہر دیکھنے میں یہ لوگ اہل ثقافت و معرفت میں سے نہیں تھے۔ بظاہر انھیں عوام یا عوامی کہا جاتا ہے۔ و لیکن خواص کے گروہ کا حصہ تھا اور وہ محترم عالم روحانی جو پیش نماز تھا عوام کا حصہ تھا۔ مثلاً" وہ روحانی کہتا تھے جب بھی زبان پر پیغمبؐ گرامی کا نام آئے تو کیوں ایک بار درود بھیجتے ہو۔ اس آقائے نامدار کا نام آتے ہی تین بار دورد بھیجو نہیں سمجھتا تھا؟ اس درائیور نے جواب دیا اور کہا اس روز جب ہم مقابلے سے فارغ ہوجائیں گے' ہر جگہ اسلام کو برتری ملے' انقلاب کامیاب ہوجائے۔ ہم تین درود نہیں بھیجیں گے ایک صلواۃ بھی نہیں بھیج دیں گے' آج تین دفعہ درود مقابلہ اور مبارزہ ہے۔ وہ ڈرائیور سمجھ گئے لیکن یہ روحانی نہیں سمجھے۔ سمجھ رہے ہیں آپ؟ توجہ کریں کہ میں نے یہ مثال اس لئے دی کہ آپ جان لیں کہ جنہیں ہم خواص کہتے ہیں اس کا مطلب کوئی خاص لباس نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ مرد ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے وہ عورت ہو۔ ممکن ہے کہ پڑھا لکھا ہو' ممکن ہے دولت مند ہو' ممکن ہے غریب ہو' ممکن ہے ایک انسان مملکت کے انتظامی ڈھانچے کے اندر ہو' یہ بھی ممکن ہے کہ طاغوتی ممالک کے انتظامی ڈھانچے کے مخالفین کا حصہ ہو۔ البتہ جنہیں ہم خواص کہتے ہیں ان کے اچھے اور برے کی تمیز کے نکتہ نظر

سے ان کو بھی دو حصوں میں تقسیم کریں گے خواص وہ جو موقع و محل کو بروئے کار لاکر تجزیہ و تفکر کی روشنی میں راستے کا انتخاب کر کے کوئی عمل انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ خواص ہیں ان کے مقابق کا نقطہ بھی عوام ہے۔ عوام یعنی وہ لوگ جو بعض اوقات جس سمت کو ہوا چلے یہ بھی اس سمت چلنے لگتے ہیں کوئی تجزیہ نہیں رکھتے۔ ایک وقت لوگ کہتے ہیں زندہ باد تو یہ بھی سر اٹھا کر دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں زندہ باد اور بعض اوقات جب لوگ کہتے ہیں مردہ باد تو یہ بھی اسی طرف دیکھ کر مردہ باد کہتے ہیں۔ ایک لمحے میں موسم اس طرح کا ہے اس طرف آتے ہیں اور ایک لمحے موسم اس طرح کا ہے اس طرف آتے ہیں۔ فرض کریں ایک وقت ایسا ہے کہ حضرت مسلم کوفہ میں داخل ہوتے ہیں۔ کہنے لگیں کہ امام حسینؑ کے چچیرے بھائی آئے ہوئے ہیں خاندان بنی ہاشم آئے ہیں، دیکھئے یہ لوگ قیام کرنا چاہتے ہیں، خروج کرنا چاہتے ہیں، حرکت شروع ہوتی ہے آگے نکل جاتی ہے۔ اور حضرت مسلم سے بیعت کرنے والے اٹھارہ ہزار لوگ ہوتے ہیں۔ پانچ چھ گھنٹے بعد قبائل کے سردار کوفے میں داخل ہو کر لوگوں سے کہتے ہیں جناب آپ یہ کیا کام کر رہے ہیں کس سے جنگ کرنے لگے ہیں کس کا دفاع کرنے لگے ہو تمہارا ستیاناس کیا جائے گا۔ یہ سن کر لوگ پہلے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ابن زیاد کے لشکری بن کر طوعہ کے گھر کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ کہ مسلم کو گرفتار کریں۔ وہی لوگ آتے ہیں اور اپنے عہد سے پھر کر مسلم سے جنگ کرنے لگتے ہیں۔ یہ

عوام ہیں کسی فکری' تشخیصی یا تجزیاتی عمل کے نہیں بلکہ جس طرف ہوا کا رخ ہو حرکت کرنے لگتے ہیں۔ پس ہم ہر معاشرے میں خواص اور عوام پاتے ہیں۔ عوام کو ایک طرف کرتے ہیں۔ خواص کے پیچھے چلتے ہیں اور خواص کے دو گروہ ہیں۔ (۱) خواص حق کا گروہ (۲) خواص باطل کا گروہ !کیا ایسا نہیں ہے؟ کہ ایک گروہ صاحبان فکر و ثقافت و معرفت کا ہے' اہل حق کے لئے کام کرتا ہے سمجھ گیا ہے کہ حق اس طرف ہے۔ حق کو پہچان گیا ہے' حق کے لئے حرکت کرتا ہے' پس اس گروہ کے لوگ حق کو پہچانتے ہیں اہل تشخیص ہیں یہ ایک گروہ ہے اور ایک ایسا گروہ جو حق کے مقابل اور حق کا مخالف ہے۔ اگر صدر اسلام کی طرف لوٹ جائیں تو ایک گروہ میں اصحاب امام حسین اور بنی ہاشم ہیں اور ایک گروہ اصحاب معاویہ کا ہے ان کے درمیان بھی خواص تھے با فکر و عاقل و تیز و طرار اور بنی امیہ کے طرفدار باطل ہیں آپ طرفداران باطل خواص سے کیا توقع رکھتے ہیں؟ توقع رکھتے ہو کہ وہ گروہ تمہارے مقابلے میں بیٹھا رہے گا نہیں' بلکہ حق کہ خلاف منصوبہ بناتا ہے' پروگرام جاری کرتا ہے۔ پس اس گروہ کے خلاف جنگ کرنا چاہئے طرفداران باطل خواص سے جنگ کرنا چاہیے' یہ محل کلام نہیں ہے (اس چیز پر بحث کرنے کا موقع نہیں ہے) اب ہم طرفدارن حق کی طرف آتے ہیں۔ اب میں اسی طرح آپ سے گفتگو کرتا ہوں' تم خود غور کرو کہ تم کہاں ہو یہ کہ میں کہتا ہوں' بلوغت فکر ہونا چاہئے۔ یعنی ہم تاریخ کو قصے سے مشتبہ نہ کریں۔ تاریخ یعنی ہمارے

احوال کی تشریح (دوسروں کے قصے کہانیاں نہیں) کسی دوسرے میدان میں بات ہو تو تب بنے گی یوں ہو یعنی "خوش نصیب وہ ہے جس کی تعریف و توصیف دوسروں کی زبان سے جاری ہو" تاریخ یعنی میں اور آپ اور وہ سب جو آج یہاں پر جمع ہیں پس اگر ہم تاریخ کی شرح کرتے ہوئے بولتے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک کو غور کرنا چاہئے دیکھنا چاہئے کہ ہم اس داستان میں کہاں واقع ہیں ہم کس گروہ میں قرار پاتے ہیں۔ اس کے بعد دیکھیں کہ ہماری طرح جو بھی قرار پایا ہے اس دن اس مقام پر کیسے عمل کیا کہ (دشمن سے) ضرب کھائی پس ہم اس طرح کا عمل نہ کریں مثلاً" آپ کلاس درس میں ایک فرضی دشمن گروہ ترتیب دیتے ہیں اور اپنا بھی ایک گروہ بناتے ہیں اس کے بعد اپنے گروہ میں (دشمن کے مقابل) غلط داؤ کا مشاہدہ کرتے ہیں' دیکھتے ہو کہ تمہارے گروہ کے طرف سے داؤ میں اس جگہ غلطی ہوئی ہے۔ پس تم چاہو گے کہ وہ غلطی نہ کرو۔ تاکہ داؤ درست ہو چاہے غلطی سربراہ نے یا توپ چلانے والے نے' یا قاصد نے' یا کسی جنگجو جوان نے اپنے گروہ میں کی ہے۔ سمجھ گئے' پس تمہیں چاہئے کہ وہی غلطی نہ کرو تاریخ اسی طرح کی ہے اب میں صدر اسلام کے اس میدان میں کہ جس کے بارے میں میں بولتا ہوں' اس میں اپنے آپ کو ڈھونڈو۔ عوام کا ایک گروہ ہے مضبوط ارادہ نہیں رکھتا اس کی خوش قسمتی یہ ہے کہ عوام سے مربوط ہے اگر حادثاتی طور پر ایسے زمانے میں پیدا ہوا کہ کسی امام کی حکومت ہے جیسے امام امیرالمومنین' یا ہمارے امام خمینیؒ ان کو

بہشت کی سمت لے جاتا ہے اچھا یہ بھی نیکو کاروں کے ہاتھوں کے ضرب سے بچائے جائیں گے اور خدا نے چاہا تو بہشت جائیں گے اگر اتفاقاً ایسا ہوا کہ ایسے زمانے میں قرار پائے کہ "ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے امام قرار دیئے ہیں۔" **وجعلنهم ائمته یدعونه الی النار۔** یا جیسے ارشاد ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنھوں نے نعمات خدا کو کفر میں بدل ڈالا۔ اور اپنی قوم کو جہنم میں جھونک ڈالا' جو ان ہی کے لئے بھڑکائی ہوئی ہے۔ اور کیا برا ٹھکانہ ہے۔ **الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا و احلوا قومھم دار ابوار جھنم یصلونھا ولبس القرار۔** کی مانند کسی زمانے میں قرار پائے تو جہنم کی سمت چلے گئے۔ پس ہوشیار ہو جاؤ اور عوام کا جزو نہ بنو یعنی ہر حال میں جاؤ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرو۔۔۔۔ نہیں! میں نے کہا کہ عوام کے معنی یہ نہیں۔ اے لوگو! جنھوں نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ جبکہ جزو عوام بھی ہیں۔ اے وہ بہت سے لوگو! جنھوں نے علم دین حاصل کیا ہے مگر عوام کا حصہ ہیں۔ وہ بہت سے لوگ جو فقیر و غریب ہیں مگر جزو عوام ہیں۔ عوام ہونا میرے تمہارے ہاتھ میں ہے چاہئے کہ ہوشیار رہیں۔ اور عوام نہ بنیں۔ یعنی ہر وہ کام کریں جو بابصیرت ہو۔ ہر وہ شخص جو بصیرت سے کام نہیں کرتا وہ عوام ہے۔ پس دیکھئے قرآن پیغمبرؐ کے بارے میں فرماتا ہے۔ **ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی۔** یعنی میں اور میرے پیروکار بابصیرت کام کرتے ہیں "اور اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور آگے بڑھتے ہیں پس پہلے یہ دیکھیں کہ تم گروہ

عوام سے ہو! یا نہیں ـــ اگر گروہ عوام میں سے ہو تو جلدی جلدی اپنے آپ کو ان سے خارج کردو، سعی کرو کہ اپنے اندر تجزیہ و تحلیل کی قوت پیدا کرو، اور قوت تشخیص اور معرفت پیدا کرو۔ گروہ خواص میں بھی دیکھیں کہ ہم گروہ خواص طرفدار حق کا جزو ہیں یا خواص طرفدار باطل کا حصہ، یہاں پر واضح ہے اس میں کوئی تردید نہیں کہ ہمارے معاشرے کے خواص، خواص طرف داران حق کا جز ہیں یہ اس لئے کہ اسلامی اصولوں سے، قرآن سے، سنت و عترت پیامبر کرام اسلام سے راہ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آج جمہوری اسلامی یہی ہے پس خواص طرف داران باطل کا حساب ان سے الگ ہے۔ فی الحال ہمارا ان سے کوئی کام نہیں۔ اب ہم خواص طرف داران حق کا سراغ لگاتے ہیں تمام مشکل مسائل اس منزل کے بعد ہیں۔ میرے عزیزو! طرف داران حق کے بھی دو گروہ ہیں۔ (ا) ایک گروہ دنیا کے مقابلے میں، زندگی، مقام، شہرت، زر، لذت، راحت نام و نمود سے ہم آہنگ ہے۔ اور یہ سب زندگی کی خوب صورتیاں ہیں۔ **متاع الحیواۃ الدنیا**۔ یعنی دنیاوی بہرہ مندی، یہ سب دنیوی زندگی کی آسائشیں ہیں یہی کہ قرآن فرماتا ہے **متاع الحیواۃ الدنیا**۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ میری متاع ہے۔ نہیں بلکہ آسائش یعنی متاع ہے۔ خدا نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ آخر کار خدا نہ کرے زندگی کی آسائشوں کے مقابلے میں، اس قدر غرق ہو جاؤ کہ جب کسی منزل پر کوئی سخت آزمائش آن پڑے تو ان (آسائشوں سے) دستبردار نہ ہو سکو،

ایک وقت ایسا ہوتا ہے اور اگر ان آسائشوں سے فائدہ بھی اٹھاؤ۔ اور جب امتحان سخت درپیش آئے تو آسانی سے دستبردار بھی ہوسکو۔ یہ دوسرا طریقہ ہوتا ہے۔ پس ہم گروہ طرفدار حق کو بھی دو حصوں میں کرتے ہیں۔ دیکھئے ان چیزوں کے لئے سوچ اور غور و فکر لازمی ہے۔ ان چیزوں کے لئے وقت اور مطالعہ لازمی ہے۔ اس طرح نہیں ہوتا کہ انسان ایک معاشرے کو' ایک نظام و انقلاب کا بیمہ کروائے۔ چاہئے کہ مطالعہ کرے وقت سے کام لے' سوچے کہ ہر معاشرے میں دو قسم کے حق کے طرف دار موجود ہوتے ہیں۔ یعنی خواص طرف داران حق کا وہ محکم گروہ ہو۔ جو وقت پڑنے پر آسائشات دنیا سے آسانی سے دستبردار ہوسکتا ہو۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہو تو معاشرہ اسلامی حضرت امام حسینؑ کے زمانے کی حالت سے دوچار نہیں ہوگا مطمئن رہئے کہ ابد تک ہمیشہ کا بیمہ ہے' ولیکن اگر یہ گروہ کم ہے اور خواص کے دوسرے گروہ زیادہ ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے دل کو دنیا کے حوالے کیا ہے حق کو پہچانتے بھی ہیں حق کے طرف دار بھی ہیں عین اس صورت حال میں دنیا کے مقابلے میں ان کے قدم لرز جاتے ہیں ---دنیا یعنی کیا؟ یعنی پیسہ' گھر' شہرت' مقام دنیاوی' نام و نمود' عہدہ' مسئولیت اور جان---؟ کوئی اپنے جان کے لئے راہ خدا کو ترک کرتے ہیں اس جگہ جہاں حق کہنا چاہئے نہیں کہتے کیونکہ ان کی جان خطرے میں پڑتی ہے۔ یا ان کی منزلت و مقام کی خاطر' یا ان کی اولاد سے محبت کی خاطر' یا اپنے پیسے کی خاطر' یا اپنی ڈیوٹی کی خاطر' یا خاندان سے محبت

کی خاطر' خویش و اقارب کی محبت کی خاطر' دوستوں کی محبت کی خاطر' راہ خدا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کا گروہ زیادہ ہو تو وہ وقت پریشانی اور واویلا کا ہے۔ اس وقت بہت سے حسینؑ ابن علیؑ کربلا کی قتل گاہوں کی طرف کھینچے جائیں گے۔ بہت سے یزید حکمران ہوں گے۔ اور ایسے ملک پر جیسے رسول خداؐ نے تشکیل دیا ہو۔ بنی امیہ ہزار مہینے حکومت کریں گے۔ امامت سلطنت میں تبدیل ہوگی۔ اسلامی معاشرہ' معاشرہ امامت ہے یعنی امام ہی معاشرے کا سربراہ ہوتا ہے یعنی ایسا انسان جو اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ لوگ از روئے ایمان و دل اس کی پیروی کریں اور وہی لوگوں کا پیشوا ہے لیکن! سلطان و بادشاہ وہ آدمی ہوتا ہے۔ جو سختی اور غلبے سے حکومت چلاتا ہے۔ لوگ اسے ایماندار نہیں مانتے لوگ اسے قبول نہیں کرتے۔ لوگ اس پر اعتماد و اعتقاد نہیں کرتے۔ اگر کوئی سے لوگ اپنے تئیں مقابلہ کرتے۔ اس حال میں' جبکہ وہ اپنی زور و زبردستی کے ذریعے حکومت کرتے ہوں۔ یہی ہوا بنی امیہ نے اسلام میں امامت کو حکومت' سلطنت و بادشاہی میں تبدیل کردیا۔ اور نوے سال یعنی ایک ہزار مہینے اس عظیم اسلامی سلطنت پر حکمرانی کی۔ اور (اسلامی امام کی بجائے بادشاہت) کی نئی مگر ٹیڑھی بنیاد رکھی۔ ایسا ہوا۔ کہ بعد میں بنی امیہ کے خلاف انقلاب برپا ہوا۔ اور بنی امیہ گئے بنی عباس آئے۔ اور دنیائے اسلام پر چھ سو سال تک پیغمبرؐ کے خلفائے جانشینوں کے عنوان سے حکومت کی' بنی عباس کہ جن کے خلفاء بہتر تعبیر کے مطابق بادشاہ دوسرے

سلاطین عالم کی طرح' شراب پینے والے' فساد برپا کرنے والے فسق و فجور و فحشاء' خباثت' دولت اور اشرافیت کے حامی' اور ہزار طرح کے فسق و فجور کے مرتکبین میں سے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں بھی جاتے تھے لوگوں کو نمازیں بھی پڑھاتے تھے' اور لوگ چار و ناچار یا غلط عقیدے کے سبب اور اور مجبوری کی بناء پر ان کے پیچھے چلتے اور اطاعت کرتے تھے۔

ایک وقت جب معاشرے میں خواص طرف داران حق قطعی اکثریت میں ہوتے ہیں تو ان کی دنیا خود ان کے لئے اہمیت پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن خواص کا وہ گروہ جو جان کے ڈر سے' مال کے ہاتھ سے چلے جانے کے ڈر سے' اور مقام و منزلت کے ہاتھ سے چلے جانے کے ڈر سے' معاشرے کی نفرت کے ڈر سے' تنہائی کے ڈر سے' حاضر (دربار حاکم) ہو جاتے ہیں۔ اور باطل کو قبول کرتے ہیں باطل کے مقابلے میں کھڑے نہیں ہوتے۔ اور حق کی طرف داری نہیں کرتے اور اپنی جانوں کو خطرے میں نہیں ڈالتے۔ ایک زمانے میں ایسا ہوا جس کے نتائج کی ابتداء اس حال میں حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت سے ہوئی۔ اور انتہا بھی' بنی امیہ اور مروانی شاخ کے حکمرانی کے بعد بنی عباس کی حکومت اور بنی عباس کے بعد آج تک دنیائے اسلام میں سلاطین کا سلسلہ پہنچا ہے۔ آپ حضرت آج بھی دنیائے اسلام پر نگاہیں دوڑائیں' مختلف اسلامی ممالک کی طرف دیکھیں' اس جگہ دیکھیں جہاں خانہ خدا اور مدینہ منورہ ہے۔ دیکھئے کس قدر فاسق و فاجر لوگ حکومت و

قدرت رکھتے ہیں۔ حکومت کرتے ہیں۔ بقیہ جگہوں کو بھی ان جگہوں پر قیاس کرو۔ اس لئے تم زیارت عاشورا میں کہتے ہو۔ خدایا اس اولین ظالم پر لعنت بھیج جس نے حق آل محمدؐ پر ظلم کیا۔ **اللهم العن اول ظالم ظلم حق محمد و ال محمد** ہم درجہ اول میں ظلم کی۔ پہلی بنیاد رکھنے والوں پر لعنت کرتے ہیں اور حق بھی یہی ہے۔! آپ نے اس مقدمے کو سماعت فرمایا' اچھا آیئے ہم عاشورا کے عبرت انگیز واقعے کے کچھ حصے کی تحلیل و تجزیے کی طرف آتے ہیں۔ اب ہم اس تاریخ کے تعاقب میں جاتے ہیں۔

رسالت مابؐ کی رحلت کے چھ' سات' آٹھ سال بعد' یہ مسئلہ خواص طرف داران حق کی غلطیوں سے شروع ہوا۔ بنیادی طور پر (اس وقت) میں مسئلہ خلافت سے کوئی سروکار نہیں رکھتا' سروکار اس لہر سے ہے جو چلی۔ یہ لہر جو بڑی خطرناک لہر ہے تمام مسائل پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے سات' آٹھ سال بعد شروع ہوئی۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا مسئلہ یہاں سے شروع ہوا جب یہ کہا جانے لگا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ پیغمبرؐ کے وہ اصحاب جو سابقین اسلام میں سے ہیں جنھوں نے بدر و احد کی جنگیں لڑی ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ برابر ہوں۔ چاہئے کہ (معاشرے میں) وہ ایک امتیاز رکھتے ہوں۔ انحرافی تحریکیں اسی طرح کی ہیں ایک چھوٹے سے نقطے سے (انحراف) کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہر قدم بعد کے قدم کو تیزی اور نشو و نما بخشتا ہے۔ تمام انحرافات یہاں سے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ عثمان کے

زمانے میں پہنچے، عثمانی حکومت کے وسط میں، بلکہ دور خلیفہ سوم میں، حالت اس قسم کی ہو گئی تھی کہ پیغمبر اکرمؐ کے برجستہ اصحاب کرام اپنے زمانے کے سب سے بڑے سرمایہ داروں کا حصہ بن چکے تھے، غور کریں یعنی وہی عالی رتبہ صحابہ کرام کہ جن کے نام مشہور ہیں، جیسے طلحہ، زبیر، سعد ابن ابی وقاص اور ان جیسے کہ جن میں سے ہر ایک نے سابق میں اعلیٰ کارنامے انجام دیئے ہیں یہ سب اسلام درجہ اول کے سرمایہ دار بن گئے ایک وقت ایسا آیا کہ جب ان میں سے ایک موت سے ہمکنار ہوا۔ اور جب ورثاء میں سونے کی تقسیم کا وقت آیا جو ترکے میں بچا تھا اور اینٹوں کی شکل میں تھا، اس کے توڑنے کے لئے کلہاڑے استعمال کرنے پڑے جیسے کہ تم کلہاڑے سے لکڑی کاٹتے ہو، دیکھئے کس قدر سونا ہے کہ کلہاڑے سے توڑتے ہیں۔ اس صورت میں کہ سونے کو پتھر کے ذرات سے نکالنے والوں کو بھی تاریخ نے محفوظ کیا ہے۔ یہ ایسے الفاظ نہیں کہ ہم کہیں شیعوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ نہیں یہ وہ الفاظ ہیں جو سب نے لکھے ہیں ان لوگوں کے ترکے میں جو درہم و دینار باقی رہے ان کی مقدار افسانوی حد تک زیادہ ہے۔ انہیں حالات کا ثمر تھا کہ امیرالمومنینؑ کے زمانے میں مشکلات نے سر اٹھایا، چونکہ ایک گروہ نے (معاشرے میں) اپنا مقام بنایا تھا اور اہمیت پیدا کی تھی لہٰذا علیؑ کے ساتھ مقابلے کے لئے میدان میں اتر آئے۔ ابھی تو رحلت پیغمبرؐ کو واقع ہوئے۔ ۲۵/ سال ہی ہوئے ہیں۔ اور بہت ساری غلطیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں ہیں (اور ادھر) علی

امیرالمومنینؑ نفس پیغمبرؐ ہے اگر درمیان کے ۲۵/ سال کا فاصلہ پیدا نہ ہوا ہوتا۔ تو امیرالمومنینؑ کے لئے اس معاشرے کو بنانے اور سدھارنے میں کوئی مشکل نہ تھا' لیکن امیرالمومنینؑ ایک ایسے معاشرے سے دوچار ہوئے جس کی قدر و منزلت دنیا داری کے سائے میں قرار پا چکی ہے۔ جیسے کہ **اخذوا مال اللہ دولا و عباد اللہ خولا و دین اللہ دخلا بینھم**' کے مصداق ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جب امیرالمومنینؑ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو جہاد پر لے جائیں تو آپ کے لئے یہ سارے درد سر بنے۔ امیرالمومنینؑ کے زمانے کے اکثر خواص (یعنی) خواص طرف داران حق' یعنی وہ لوگوں کا گروہ جو حق کو پہچانتا تھا' ایسے لوگوں کا گروہ تھا جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ امیرالمومنینؑ تین (خونریز) جنگیں لڑنے پر مجبور ہوگئے۔ آپ کے حکومت کی چار سال نو ماہ کی عمر مسلسل جنگوں میں گزری' آخرکار آپؑ ان خبیث لوگوں میں سے ایک کے ہاتھوں شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ پس خون امیرالمومنینؑ' خون امام حسینؑ کی طرح پر ارزش اور منزلت کا حامل ہے۔ آپ زیارت وارثہ میں پڑھتے ہیں۔ **السلام علیک یا ثار اللہ و ابن ثار** ○ یعنی خداوند متعال خون حضرت امام حسینؑ اور خون امیرالمومنینؑ کا وارث ہے۔ یعنی خداوند متعال حضرت امام حسینؑ اور ان کے والد گرامی امیرالمومنینؑ کے خون کا وارث ہے۔ یہ تعبیر کبھی کسی دوسرے کے لئے نہیں آئی ہے (یہ امر) بدیہیات میں سے ہے کہ جو خون زمین پر بہتا ہے۔ اس کا ایک وارث ہوتا ہے'

صاحبان و وارثان خون جیسا کہ کوئی قتل ہو تو اس کا باپ اس کا وارث خون ہوتا ہے' اس کا بیٹا وارث خون ہے اس کا بھائی وارث خون ہے۔ عرب' اسے "ثار" کہتے ہیں۔ یعنی بدلے میں خون بہانے کا حق دار ہونا ہے' خون بہانے کا حق رکھنے کو ثار کہتے ہیں۔ (پس) حضرت امام حسینؑ کے خون کا وارث و مالک خدا ہے یعنی خون امام حسینؑ کے بدلے کا حق خداوند متعال سے متعلق ہے۔ یعنی خود خدا صاحب خون امام حسینؑ ہے۔ اسی طرح سے خون امیرالمومنینؑ کا صاحب بھی خدا ہی ہے۔ پس ان دونوں بزرگوں کے خون کا صاحب ذات مقدس پروردگار ہے۔ امیرالمومنینؑ اس (معاشرتی) حالت کی وجہ سے شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ بعد میں امام حسنؑ آئے' وہی حال تھا کہ امام حسنؑ چھ مہینے سے زیادہ (حکومت) باقی نہیں رکھ سکتے تھے آپ کو اکیلا اور تنہا کر دیا گیا۔ امام حسنؑ نے دیکھا کہ اب اگر اس مختصر گروہ کے ساتھ۔ معاویہ سے جنگ کر کے شہید ہو جاتا ہوں تو معاشرہ اسلامی میں خواص کے درمیان اخلاقی انحطاط اتنا زیادہ ہے کہ یہاں تک کہ آپ کی خون کا بدلہ تک نہیں لیا جائے گا۔ معاویہ کی چالاکیاں' پروپیگنڈے' پیسہ اس سب کا ازالہ کرے گا' ایک دو سال گزرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ بنیادی طور پر امام حسنؑ کا قیام ہی غلط تھا کہ معاویہ کے خلاف علم بلند کیا۔ امام حسنؑ نے دیکھا کہ آپؑ کا خون رائیگاں ہو جائے گا۔ لہٰذا آپ نے تمام تر سختیوں کے ساتھ اپنے' آپ کو میدان شہادت میں نہیں دھکیلا۔

جانتے ہو بعض اوقات زندہ رہنے سے شہید ہونا آسان تر ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح کا واقعہ ہے۔ صاحبان معنویت و حکمت اور صاحبان دقت و فکر اچھی طرح جانتے ہیں کہ بعض اوقات' زندہ رہنا' زندگی گزارنا' اور ایک ماحول میں جدوجہد کرنا' قتل ہونے' شہید ہونے' اور خدا سے ملاقات کرنے سے مشکل تر مراتب کا حامل ہوتا ہے۔ اور امام حسنؑ نے اسی مشکل راہ کا انتخاب کیا۔ اس زمانے کی صورت حال ایسی تھی۔ کہ خواص سرخم کرچکے تھے کسی حرکت کی انجام دہی کے لئے تیار نہ تھے۔ لہٰذا جب یزید برسراقتدار آیا۔ اور یزید ایسا آدمی تھا کہ کوئی اس سے جنگ کرتا اور کوئی اس کے خلاف جنگ میں مارا جاتا۔ تو چونکہ خود یزید کی صورتحال بہت خراب تھی اس لئے اس کا خون پامال نہیں ہوسکے گا۔ اس لئے امام حسینؑ نے قیام کیا۔ امام حسنؑ کے زمانے کے برخلاف (کہ اس وقت دو انتخاب موجود تھے یعنی شہید ہونا یا زندہ رہنا اور زندہ رہنا کہ جس کا ثواب و اثر اور زحمت قتل ہونے سے زیادہ تھا۔ یزید کے زمانے میں قیام واحد انتخاب تھا (دوسرا کوئی چارہ کار نہ تھا) لہٰذا امام حسنؑ نے اس سخت تر راستے کا انتخاب کیا امام حسینؑ کے زمانے میں یوں نہ تھا۔ ایک انتخاب سے زیادہ کی گنجائش بھی نہیں تھی زندہ رہنا یعنی قیام نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ چاہئے کہ قیام کرے اس حال میں حکومت تک پہنچے تو پہنچے' اور اگر نہ پہنچے اور قتل بھی ہوئے تو ہوجائے' چاہئے کہ راستے کی نشاندہی کی جائے پرچم مقاومت سرراہ نصب کردینا چاہئے کہ اگر

صورتحال اس طرح کی ہو تو حرکت و قیاس طرح کا ہونا چاہیے' پس اسی لئے امام حسینؑ نے قیام کیا' اچھا جب امامؑ نے اپنی اس عظمت و بزرگی کے ساتھ جسے وہ معاشرہ اسلامی میں رکھتے تھے قیام کیا تو اکثر وہی خواص امام حسینؑ کے سامنے نہ آئے کہ کہیں مدد کرنا پڑے۔ دیکھئے ان خواص کے سبب سے معاشرہ اسلامی کا حال کس قدر خراب ہوا ہے اور خواص کے اسی گروہ کے سبب جو موجود ہیں اپنی دنیا کی آسائش کو اسلام کے کل کی تقدیر ترجیح دیتے ہیں اس کے ساتھ ہی امام حسینؑ بہت ہی مشہور شخصیت کے حامل تھے۔ میں نے امام حسینؑ کے قیام کے مسائل اور اس جنبش کے بارے میں جو مدینے سے شروع ہوئی غور کیا۔ سوچا' جس رات امام حسینؑ مدینے سے باہر آئے' عبداللہ ابن زبیر بھی باہر آچکا تھا صورت حال کی حساب سے دونوں ایک ہی حال میں تھے لیکن امام حسینؑ کہاں اور عبداللہ ابن زبیر کہاں؟ امام حسینؑ کا بولنا' مقابلہ کرنا' مخاطب اس طرح کا تھا کہ اس روز حاکم مدینہ جو کہ ولید تھے جرات نہ کرسکے کہ امام حسینؑ سے درشت لہجے میں بات کرسکے۔ مروان نے ایک لفظ منہ سے نکالا ہی تھا کہ حضرتؑ نے ایسا سخت جواب دیا کہ مروان اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ یہی لوگ عبداللہ ابن زبیر کے گھر گئے اور اس کے گھر کا محاصرہ کیا اس نے اپنے بھائی کو بھیجا اور کہا مجھے اس بات کی اجازت دو کہ ابھی میں دار الخلافہ نہ آؤں (وہ) اس کی توہین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے باپ کو گرفتار کریں گے۔ او شخص حقیر باہر آؤ' اگر (باہر) نہیں آئے تو تمہیں قتل کریں

گے۔ اور کیا کریں؟ یہاں تک کہ عبداللہ ابن زبیر ملتمس ہوا اور کہا پس اتنی اجازت دو کہ فی الحال اپنے بھائی کو بھیج دوں اور کل میں خود آؤں' ان میں سے ایک نے کہا بہت اچھا ہم اسے آج کی رات کی مہلت دے دیتے ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر بھی شخصیت رکھتے تھے لیکن اس کا حال امام حسینؑ سے قدرے مختلف تھی۔ امام حسینؑ سے اس جرات سے بات کرنے کی کسی نے ہمت نہیں کی' آپ کی حرمت' عظمت اور شخصیت کی خاطر' آپؑ کی روحانی قدرت اور حوصلے کی خاطر کسی نے جرات نہیں کی' کہ اس طرح گفتگو کرے' اس کے بعد مکے کی راہ میں جو بھی آپؑ کے پاس پہنچا۔ تو آنحضرت کو اس طرح مخاطب کرتے رہے میں قربان جاؤں' میرے ماں باپ آپ پر قربان' میری ماں آپ پر قربان' میرے چچا اور میری چچی آپ پر قربان' امام حسینؑ سے اس طرح بات کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں امام حسینؑ کی شخصیت اس طرح کی برجستگی اور امتیاز کی حامل ہے۔ عبداللہ ابن مطیع مکے میں حضرت امام حسینؑ کے پاس آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اے فرزند رسول خدا! اگر تو نے قیام کیا اور شہید ہوگئے تو تیرے بعد یہ لوگ ہمیں اپنا غلام بنادیں گے آج تیرے احترام میں' تیرے خون سے' تیری ہیبت کی وجہ سے یہ لوگ اپنی عادی راہ چلتے ہیں' امام حسینؑ کی عظمت اس طرح کی ہے یہ حضرت امام حسینؑ کی عظمت ہے کہ آپ کے سامنے ابن عباس سر جھکاتا ہے عبداللہ ابن جعفر سر جھکاتا ہے عبداللہ ابن زبیر باوجود یہ کہ آنحضرت سے خوش نہیں ہے آپ

کے سامنے، خضوع و خشوع کرتا ہے۔ یہ تمام لوگ خواص و بزرگان گروہ حق سے متعلق ہیں۔ یعنی حکومت کے طرف دار نہیں ہیں۔

بنی امیہ کے طرف دار نہیں ہے یہاں تک کہ ان کے درمیان شیعہ زیادہ ہیں کہ امیرالمومنینؑ کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کو خلیفہ اول مانتے۔ ہیں جب ان کا سامنا سختی کے ساتھ مرکز حاکم سے ہوتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ ان کی جان، ان کی سلامتی، ان کی راحت، ان کا مقام و منزلت، ان کا پیسہ خطرے میں پڑا ہے یہ پیچھے ہٹتے ہیں۔ یہ لوگ جب پیچھے ہٹتے ہیں عام لوگ بھی انہی کا پیچھا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے ناموں کو دیکھئے، جنہوں نے کوفے سے حضرت امام حسینؑ کو خط لکھ کر دعوت دی ہے، جن جن لوگوں نے خط لکھا ہے خواص کا حصہ ہیں، یہ سب طبقہ معززین و برجستگان میں سے ہیں۔ خطوط بھی زیادہ ہیں کوفے سے سینکڑوں صفحات پر مشتمل خطوط آئے۔ یا شاید چند خور جینوں میں، یا کسی بڑے سے بیگ میں بھر کر خط آئے، غالبا کوفے کے ناموروں برجستہ شخصیات، بزرگوں اور خواص نے یہ خطوط لکھے ہیں! مختصرا" ان خطوط کے آہنگ کو دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ خواص طرف دار حق کے گروہ میں کس قسم ک لوگ شامل ہیں۔ کہ اپنے دین کو دنیا کے بدلے قربان کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ اور کس قسم کے لوگ اس گروہ میں شامل ہیں جو اپنی دنیا کو دین پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ خود خطوط ہی سے یہ بات ممکن ہے کہ سمجھا جائے اور چونکہ جو لوگ حاضر ہیں ان میں اپنے دین کو دنیا پر

قربان کرنے والے زیادہ ہیں جس کے نتیجے میں کوفے میں حضرت مسلم ابن عقیل کی شہادت واقع ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد اسی شہر کوفہ سے جس کے اٹھارہ ہزار افراد نے مسلم ابن عقیل کی بیعت کی تھی۔ بیس ہزار یا تیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ افراد اٹھ کھڑے ہوجاتے ہیں اور کربلا میں امام حسینؑ سے جنگ کرنے چلے آتے ہیں یعنی خواص کی حرکت و جنبش عوام کو اپنے پیچھے حرکت میں لے آتی ہے۔ اس حقیقت کی عظمت "نہیں معلوم" جو ہمیشہ زیرک و ہوشمند انسانوں کا گریبان پکڑلیتی ہے۔ میرے لئے صحیح طور پر واضح ہوا ہے یا نہیں؟ آپ لوگوں نے یقیناً کوفے کا ماجرا سنا ہوگا کوفیوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا حضرت نے بھی مسلم ابن عقیل کو بھیجا اور کہا کہ اس کو بھیجتا ہوں اگر یہ لکھ دیں کہ حالات درست ہیں تو میں بھی آؤں گا، مسلم ابن عقیل بھی کوفہ تشریف لے گئے، بزرگان شیعہ کے گھر میں داخل ہوئے، حضرت کے خط کو پڑھا، لوگوں کے گروہ کے گروہ آئے سب نے عقیدت و ارادت کا اظہار کیا، کوفے کا گورنر بھی نعمان ابن بشیر نامی کمزور اور ملائم آدمی تھا، اس نے کہا کہ جب تک کوئی مجھ سے جنگ نہیں کرتا میں اس سے جنگ نہیں کروں گا اس نے مسلم ابن عقیل سے مقابلہ نہیں کیا، لوگوں نے دیکھا میدان کھلا ہے آئے اور حضرت کی بیعت کرنا شروع کیا خواص طرفداران باطل میں سے دو تین نے یزید کو لکھا اگر چاہتے ہو کہ کوفہ تمہارے ساتھ رہے۔ تو ایک سخت زیرک شخص کو کوفہ بھیجو، یہ نعمان ابن بشیر مسلم ابن عقیل کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

انھوں نے عبیداللہ ابن زیاد کو جو پہلے بھی کوفے کا گورنر رہ چکا تھا حکم دیا کہ آج سے ہمارے فرامین کی پاسداری کرتے ہوئے کہ بصرے کے علاوہ کوفے کی حکومت بھی تیرے حوالے کی جاتی ہے' سنبھالو' اور عبیداللہ ابن زیاد کی حکومت کا سرا بصرے سے شروع ہو کر کوفے تک پہنچا' اس کوفہ آنے میں بھی کچھ خاص اثرات معلوم ہوتے ہیں' اگر فرصت ہو' تو دیکھوں ممکن ہے اس واقعے کے کچھ حصے کو عرض کروں۔

عبیداللہ ابن زیاد اس حال میں کہ رات تھی کوفہ پہنچا' کوفے کے عوام ــــــ ہاں' ہاں کوفے کے عام عوام یعنی اس قبیل کے لوگ جو تحلیل و تجزیہ کرنے کے قابل نہیں' قادر نہیں' جب دیکھتے ہیں کہ ایک شخص صورت چھپائے گھوڑے پر مسلح حالت میں سوار آیا۔ تو خیال کرتے ہیں کہ امام حسینؑ ہیں۔ خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں السلام علیک یا بن رسول اللہ عام آدمی کی خاصیت یہی ہوتی ہے وہ شخص کہ جو صاحب تحلیل و تجزیہ نہیں' تحقیق کا منتظر نہیں ہوتا جیسے ہی دیکھا کہ ایک آدمی چہرہ چھپائے' مسلح' گھوڑے پر سوار' لوگوں سے بغیر کچھ کہے کوفے میں داخل ہوا ہے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے یہ امام حسینؑ ہیں سب کہتے ہیں امام حسینؑ' امام حسینؑ' امام حسینؑ کھڑے ہو جاتے ہیں اسے سلام و احترام کرتے ہیں' (بھائی) صبر کرو' دیکھو کہ وہ کون ہے؟ اس نے بھی ان لوگوں کو پروا کرنے کے قابل نہ سمجھا' دارالامارہ (آج کا گورنر ہاؤس) گیا' اپنا تعارف کرایا اور اندر چلا گیا' یہی

منزل سے اس نے مسلم ابن عقیل کی تحریک سے مقابلہ شروع کیا اور اس کے کام کی بنیاد' طرف داران مسلم ابن عقیل کو دھمکانا' ڈرانا' دباؤ ڈالنا اور شکنجوں میں قید کرنے پر مبنی تھا' یعنی ہانی ابن عروہ کو دھوکے اور فریب کے ذریعے دارالامارہ لایا اس کے سر اور چہرے کو مجروح کیا اس کے بعد ایک گروہ اس کے قصر حکومت کے گرد جمع ہوا تو اس نے اسے جھوٹ اور مکر و فریب سے منتشر کیا' یہاں بھی وہی برے لوگ یعنی خواص یعنی اصطلاح میں خواص طرف داران حق کا گروہ جو حق کو پہچانتا ہے' حق کی تشخیص دیتا ہے لیکن اپنی دنیا کو ترجیح دیتا ہے۔ بعد میں حضرت مسلم ابن عقیل کے ساتھ ایک جلوس چلا' تاریخ ابن اثیر کے مطابق نو ذی الحج کا واقعہ ہے کہ میرے خیال کے مطابق' بیعت کرنے والے تیس ہزار میں سے حضرت مسلم ابن عقیل کے ساتھ صرف اس کے گھر کے اطراف کے چار ہزار لوگ شمشیر بکف حضرت مسلم ابن عقیل کی حمایت میں آئے۔ اور اٹھ کھڑے ہو گئے لیکن ابن زیاد نے جو کام کیا وہ یہ کہ انہیں خواص کوفہ میں سے کچھ لوگوں کو ان کے درمیاں میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو ڈرائیں' (نوجوانوں) کی ماؤں اور باپوں کو ڈرائیں انہیں یہ بتائیں کہ کس سے جنگ کر رہے ہو؟ کس لئے جنگ کر رہے ہو؟ واپس ہو جاؤ' وہ تمہارے باپ کو گرفتار کریں گے ارے' یہ لوگ یزید ہیں؟ یہ لوگ ابن زیاد ہیں' یہ لوگ بنی امیہ ہیں ان کے پاس کیا ہے؟ پیسہ ہے' تلوار ہے تازیانہ ہے۔ مگر ان کے (مسلم ابن عقیل اور ساتھیوں کے) پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پس

لوگوں کو ڈرانے لگے اور وہ آہستہ آہستہ منتشر ہونے لگے' رات کے اگلے پہر عشاء کی نماز کے وقت مسلم ابن عقیل کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا ہر ایک کو عبید اللہ ابن زیاد نے یہ پیغام دیا تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے لئے مسجد آئیں اور میری اقتدا میں باجماعت نماز عشا ادا کریں۔ تاریخ میں ہے کہ ابن زیاد کے پیچھے نماز عشاء کے لئے مسجد کوفہ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ اچھا' کیوں ایسا ہوا ---؟ میں جو دیکھتا ہوں اور غور کرتا ہوں تو خواص قصوروار ہیں وہی خواص طرف داران حق قصور وار ہیں! ان خواص طرف داران حق میں سے بعض جیسے شریح قاضی' جس نے ابتدا ہی میں بہت بڑا کام کیا شریح جو کہ بنی امیہ کا طرفدار نہ تھا۔ ایک ایسا شخص تھا جو جانتا تھا کہ حق کس کے ساتھ ہے سمجھتا تھا کہ حالات کس وسیلے سے ٹھیک ہوسکتے ہیں۔ اس وقت جب ہانی ابن عروہ کو زندان میں ڈال دیا گیا' اور اس کے سر اور چہرے کو مجروح کیا گیا تھا اور آپ کے قبیلے والوں اور مجاہدین نے قصر ابن زیاد کو گھیرے میں لے لیا تھا' اور ابن زیاد سے سوال کیا تھا کہ کیا تم نے ہانی کو قتل کر ڈالا ہے؟ ابن زیاد ڈرے ہوئے تھے اور شریح قاضی سے کہا کہ جاؤ دیکھو کہ ہانی زندہ ہے یا نہیں؟ اگر زندہ ہے تو جاؤ انہیں کہو کہ ہانی زندہ ہے قاضی شریح آیا دیکھا ہانی زندہ ہے ولیکن زخمی ہے مجروح ہے ہانی ابن عروہ نے قاضی سے کہا! ارے مسلمانو یہ کیا صورت حال ہے۔ میری قوم کیا ہوئی؟ کیا مرگئی؟ کیوں میرے تلاش میں میرے پیچھے نہیں آئی؟ وہ لوگ کیوں نہیں آئے کہ مجھے یہاں سے نجات دلائیں۔

شریح قاضی کہتا ہے "چاہتا تھا کہ جاؤں اور ہانی کے ان الفاظ کو ان لوگوں کے گوش گزار کراؤں' جنہوں نے عبید اللہ ابن زیاد کے قصر امارہ کا گھیراؤ کیا ہے مگر افسوس کہ عبید اللہ ابن زیاد کا جاسوس وہاں کھڑا تھا میں نے جرات نہیں کی" جرات نہیں کی؟ یعنی کیا؟ یعنی یہی کہ ہم یہ کہتے ہیں دین پر دنیا کو ترجیح۔ اگر قاضی شریح یہی ایک کام انجام دیتا تاریخ بدل جاتی۔ اگر شریح جاتا اور لوگوں سے کہتا کہ ہانی زندہ ہے لیکن زندان میں ہے اور عبید اللہ ابن زیاد اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو چونکہ عبید اللہ نے ابھی تک اتنی قوت نہیں حاصل کیا تھا۔ وہ لوگ اس کو شکست دے کر ہانی کو رہا کرواسکتے تھے۔ ہانی کی نجات سے اپنے اندر طاقت پیدا کرتے۔ حوصلہ پیدا کرتے ہمت پکڑتے دارالامارہ کو آگھیرتے عبید اللہ کو پکڑ لیتے یا قتل کردیتے یا کوفہ سے واپس بھیجتے' کوفہ امام حسینؑ کی ملکیت میں ہوتا اور حقیقتاً واقعہ کربلا وقوع پذیر نہ ہوتا۔ یعنی امام حسینؑ حکومت تک پہنچتے اگر یہ حکومت چھ مہینے تک طول پکڑلیتی تو ممکن تھا کہ اس سے بھی زیادہ طول پکڑے' اور تاریخ کے لئے زیادہ فیوض و برکات کا حامل ہو' ایک وقت ایک بر محل تحریک تاریخ کو نجات دیتی ہے اور ایک وقت ایک بے موقع تحریک' جو کہ خوف' کمزوری' دنیا طلبی اور زندہ رہنے کی لالچ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تاریخ کو گمراہی میں غرق و غلطاں کردیتی ہے۔ جناب جب آپ نے ہانی کو دیکھا تو کیوں حق کی گواہی نہ دی۔ یہ خواص کے آثار ہیں۔ دین پر دنیا کو ترجیح دینے والے خواص یہی ہیں۔ جس وقت عبید اللہ ابن زیاد سے دو

سردار قبائل کوفہ کو کہا کہ جاؤ لوگوں کو مسلم کے اردگرد سے منتشر کردو اگر تم لوگ نہیں گئے تو تمہارے والدین کو گرفتار کروں گا انہوں نے عبیداللہ ابن زیاد کو قبول کیا ---؟ یہ سارے تو اموی نہ تھے شام سے نہیں آئے تھے ان میں سے بعض تو امام حسینؑ کو خط لکھنے والوں میں سے تھے۔ جیسے شبث ابن ربعی کہ جس نے امام کو خط لکھ کر دعوت دی تھی خود خواص کا حصہ ہے۔ مگر جب عبیداللہ ابن زیاد نے کہا کہ جاؤ! اور لوگوں کو اس کے (مسلم کے) اردگرد سے منتشر کردو یہ بھی آیا اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کہ تحریص و تخویف کے ذریعے مسلم کے اردگرد سے منتشر کردیئے۔ انہوں نے کیوں یہ کام کیا؟ شبث ابن ربعی جیسے اگر اس حساس لمحے میں ابن زیاد سے ڈرنے کی بجائے خدا سے ڈرتے تو تاریخ بدل جاتی مگر وہ لوگ آئے اور لوگوں کو منتشر ہوگئے۔ جبکہ ان کے درمیان معقول اور منطقی لوگ بھی تھے۔ اچھے لوگ بھی تھے' بعد میں ان میں سے بعض لوگ کربلا آئے اور شہید ہوگئے لیکن یہاں غلطی کی۔ البتہ جو لوگ کربلا میں شہید ہوگئے انہوں نے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا۔ ان سے ہم کوئی بحث نہیں کرتے۔ ان کا نام بھی زبان پر نہیں لاتے۔ لیکن ان میں سے جو کربلا بھی نہ آئے' یا نہیں آسکتے تھے۔ اپنے اندر ہمت و حوصلہ پیدا نہیں کرسکے' بعد میں مجبور ہوئے کہ توابین کا حصہ بنیں جب امام حسینؑ قتل ہوئے جب فرزند پیغمبرؐ ہاتھ سے نکل چکے' جب سانحہ وقوع پذیر ہوا جب تاریخ کی تحریک زوال کی طرف شروع ہوئی ---- اس حرکت کا کیا فائدہ

برابر کے کربلا شہدائے تقریباً بھی تعداد کی توابین کہ سے رو کی دلیل اسی ؟ ـــــ تھی، شہدائے کربلا سارے ایک ہی دن میں شہید کردیئے گئے اور توابین بھی ایک ہی دن میں قتل کردیئے گئے مگر آپ دیکھیں کہ توابین نے جو اثرات تاریخ پر مرتب کیے شہدائے کربلا کے اثرات کے مقابلے میں ہزارویں حصے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ یہ لوگ اپنے اصل وقت پر نہیں آئے۔ کام کو اپنے وقت پر انجام نہ دیا۔ دیر سے ارادے باندھے تشخیص دینے میں دیر کردی۔ مسلم ابن عقیل کو کس لئے تم نے تنہا چھوڑا ـــــ؟ تم نے دیکھا کہ یہ امامؑ کا نمائندہ آیا تھا اور تم نے اس کی بیعت بھی کی ہے اور اسے قبول بھی کیا ہے میں عوام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا میں تو خواص سے کہتا ہوں تم نے کیوں جیسے ہی رات ہوئی مسلم ابن عقیل کو تنہا چھوڑا کہ وہ طوعہ کے گھر پناہ لے؟ اگر خواص مسلم کو تنہا نہ چھوڑتے مثلاً سو آدمی ہوتے۔ اور یہ سو آدمی مسلم ابن عقیل کا دفاع کرتے۔ (اور تاریخ نے دیکھا اور لکھا) جبکہ مسلم تنہا تھے انہوں نے (افواج ابن زیاد) نے چاہا کہ مسلم کو گرفتار کرلیں، واقعے نے کئی گھنٹے طول پکڑ لیا کئی بار حملے کیے حضرت مسلم ابن عقیل نے اکیلے میں ابن زیاد کے تمام کے تمام سپاہیوں اور ان سب کو جو (ان کی گرفتاری عمل میں لانے کے لئے) آئے تھے۔ سب قتل کردیئے اگر ان کے ساتھ سو آدمی ہوتے ـــــ کیا وہ اسے گرفتار کرسکتے تھے لوگ اس کے اردو گرد جمع ہوتے۔ پس خواص نے اس جگہ غلطی کی کوتاہی کی کہ مسلم

کے گرد حلقہ بندی کرنے نہ گئے۔

پس دیکھو اور ہر طرف سے حرکت کرو' خواص تک پہنچو اپنے خاص وقت میں خواص کا محکم ارادہ' خواص کا بروقت معاملے کی تشخیص' خواص کا راہ خدا میں بروقت اقدام' ان کاموں میں سے ہیں جو تاریخ کو نجات دیتی ہے۔ اصولوں کو نجات دیتی ہے۔ اصولوں کی حفاظت کرتیں ہیں۔ چاہیئے کہ مقررہ لمحے میں تشخیص شدہ حرکت انجام دیا جائے۔ اگر وقت گزر جائے گا تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ الجزائر میں! انتخابات کے بعد' جبکہ اسلامی محاذ آزادی نتائج جیت چکی ہے انتخابات میں کامیاب ہوئے ہیں۔ امریکہ اور دیگر قوتوں کے اشارے پر فوجی حکومت آئی اس دن اولی یہ ہوتا حکومت اسلامی بر سر اقتدار آتی۔ کوئی طاقت ایسی نہیں تھی کہ میں اسے پیغام دیتا۔ اگر اس دن میں انہیں پیغام دیتا کہ اسلامی محاذ آزادی الجزائر اس وقت جب کہ ان ابتدائی گھڑیوں میں ابھی فوجی حکومت سامنے نہیں آئی ہے لوگوں کو سڑکوں پر لے آئیں فوجی حکومت ختم ہو جاتی اور وہ لوگ حکومت تشکیل دیتے" اور آج الجزائر میں حکومت اسلامی حوکت ہوتی۔ ایسا نہیں کیا گیا اپنے وقت مقررہ پر چاہیئے کہ فیصلہ کریں۔ انہوں نے دل سے فیصلہ نہ کیا۔ ایک گروہ ڈرا۔ ایک گروہ نے کمزوری پیدا کی۔ ایک گروہ نے اختلاف پیدا کیا۔ ایک گروہ نے کہا ہم رہبر' دوسرے نے کہا وہ رہبر تیسرے نے کچھ اور کہا ادھر ۲۱/ بہمن سال ۱۳۵۷ھ ش کے زمانے کی بات ہے تہران میں فوجی حکومت کا اعلان ہوا۔ امامؒ نے لوگوں

سے فرمایا کہ وہ سڑکوں پر نکل جائیں۔ اگر امامؒ اس وقت فیصلہ یہ نہ کرتے تو آج تک محمد رضا اس ملک میں حکومت پر حاکم رہتا۔ فوجی حکومت کے ساتھ آئے۔ لوگ اپنے گھروں میں پڑے ہوئے، پہلے امام کو بعد میں مدرسہ رفاہ اس کے بعد دیگر جگہوں میں قتل عام کرتے۔ ہر چیز کو ختم کرتے۔ پانچ لاکھ افراد تہران میں قتل ہوتے مسئلہ ختم ہو جاتا جیسے انڈونیشاء میں دس لاکھ افراد مارے گئے۔ مسئلہ وہی ختم ہوا آج بھی وہی آقا حاکم ہے اور ایک آبرومند اور محترم شخصیت بھی ہے پانی بھی عام پانی نہیں پیتا پس امام خمینیؒ نے اہم موقع پر اہم فیصلہ کیا۔ اگر خواص اپنے وقت پر جو کام ضروری ہے تشخیص دیں اور عمل کریں تو تاریخ آزادی پیدا کرے گا۔ اور بہت سے حسینؑ ابن علیؑ کربلاؤں کی طرف نہیں کھینچے جائیں گے۔ اگر خواص برا سمجھتے ہوں۔ دیر سے سمجھتے ہوں یا سمجھتے تو ہیں لیکن باہم اختلاف کرتے ہوں جیسے افغانی حضرات! اگر سرگرم افراد میں منطقی اور معقول لوگ ہوں لیکن معاشرے میں منتشر خواص جواب نہ دیتے ہوں ان میں سے ایک کہے آج ہمارا ایک ضروری کام ہے ایک کہے جنگ ختم ہوئی ہے۔ ہمیں اجازت دو کہ اپنے کاموں کے پیچھے جائیں کچھ اپنے لئے کمائیں چند سال میں کچھ جمع کرتے ہیں ہم سرحدوں میں پھرتے ہیں۔ اس سرحد سے اس سرحد، کبھی مغرب کبھی جنوب۔ بہت ہو گیا کافی ہے اگر اسی طریقے پر عمل کیا گیا تو (پتہ ہے کیا ہو گا؟) کربلاؤں کی تکرار ہو گی۔

خدائے متعال نے وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی خدا کی نصرت کرے خدا اس کی

نصرت کرے گا اگر کوئی خدا کے لئے کوشش اور حرکت کرے خدا اس کے لئے کامیابی نصیب کرے گا نہ اس طرح کی ہر ایک شخص کو کامیابی ملے گی بلکہ جب ایک گروہ حرکت کرے' البتہ اس میں شہادتیں ہیں بلائیں ہیں و لیکن کامیابی بھی ہے۔ **والنصرن اللہ من ینصرہ**۔ نہیں فرمایا کہ مدد دیں گے کسی کے سر سے خون بھی نہیں بہے گا نہیں **فیقتلون و یقتلون**○ یعنی قتل کرتے ہیں اور قتل ہوجاتے ہیں لیکن کامیابی ان کے ہاتھ آجاتی ہے۔ یہ سنت الٰہی ہے۔ جب ہم خون سے ڈریں گے' عزت و آبرو سے ڈریں' پیسے کے نقصان سے ڈریں' خاندان کی خاطر ڈریں' نوکری کی خاطر ڈریں' ایک گھر کے مالی اخراجات کی خاطر ڈریں' دوستوں کی خاطر ڈریں' سابقہ گھر میں ایک کمرے کی اضافے کی خاطر ڈریں' جب ان چیزوں کی وجہ سے قیام نہ کریں تو دس آدمی امام حسینؑ جیسے آئیں' سر راہ آئیں' سب کے سب شہید ہونگے سب کے سب ختم ہوجائیں گے جیسے کہ امیرالمومنینؑ شہید ہوئے۔ جیسے کہ امام حسینؑ شہید ہوئے خواص! خواص کا گروہ میرے عزیزو! دیکھو کہ تم کہاں ہو اگر خواص کا حصہ ہو تو ہو۔ (پس) آپ کے ذہن و احساس میں ہونا چاہئے ہماری گزارش صرف اتنی ہے۔

البتہ ہم یہ جو گفتگو کر رہے ہیں جو مطالب یہاں پر بیان کر رہے ہیں وہ اصل مطلب کا خلاصہ ہیں چاہئے کہ دو حصوں میں اس مطلب سے سروکار رکھیں اس میں سے ایک مسئلہ تاریخی ہے۔ کہ اگر مجھے فرصت ملا تو خود کام کروں گا' افسوس

کروں گا' افسوس کے ساتھ کہ میرے پاس وقت نہیں ہے چاہئے کہ یہ کام لوگ کریں جو نمونے مثالیں تاریخ میں ارزاں ہیں پیدا کریں اور ذکر کریں' کہاں خواص کو عمل کرنا چاہئے ہوگا اور کہاں نہیں کرنا ہوگا۔ آخر یہ خواص کس کا نام ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ اگر ابھی فرصت ہو۔ آپ بھی نہ تھکیں تو یہ بات ممکن ہے کہ اس میدان میں انہی موضوعات پر اور اس کے اشخاص کے بارے میں تمہارے لئے گفتگو کروں کہ میرے ذہن میں یہ بات ہے اور دوسرے حصے پر کہ کام ہونا چاہئے وہ ہر زمانے کے حالات سے مطابق ہے نہ صرف ہمارے زمانے سے بلکہ ہر زمانے سے کہ خواص کے طبقے کو کس طرح کام کرنا چاہئے کیا انہوں نے اپنی مسئولیت کے مطابق کام کیا ہے؟ یہ جو ہم کہتے ہیں دنیا کے جال میں نہ پھنسیں کس طرح دنیا کے جال میں نہ پھنسیں؟ اس کی مثالیں اور مصادیق کیا ہیں؟

میرے عزیزو!

راہ خدا میں حرکت کرنا ہمیشہ اپنے مخالف رکھتا ہے اگر ان افراد میں سے ایک فرد کہ جن کے بارے میں ہم نے کہا چاہئے کہ اچھا کام انجام دے ممکن ہے کہ ان خواص میں سے چار آدمی اور پیدا ہوں کہ کہیں جناب کیا آپ بے کار ہیں؟ کیا آپ دیوانے ہیں؟ کیا آپ کے بیوی بچے نہیں؟ کس لئے اس طرح کے کاموں کا پیچھا کرتے ہو۔۔۔؟ جیسا کہ مبارزہ و جہاد (حکومت شاہ کے خلاف) کے زمانے میں کہتے تھے خواص کو چاہئے کہ استقامت دکھائیں خواص کی مجاہدت کے لوازمات

میں سے ایک یہ ہے کہ ملامتوں اور آوازوں کے مقابلے میں مستقل ہوں بدیہی ہے کہ مخالفین تجاوز کرتے ہیں۔ برا کہتے ہیں تہمت لگاتے ہیں۔ (وہ) بزرگ و عظیم کام ممکن ہے آئندہ پیش آئے ایک چھوٹا سا نمونہ ہے کون ہیں جو کہیں کس لئے؟

ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج ہمارا ملک مجاہدات فی سبیل اللہ کا ملک ہے۔ مملکت جہاد وایثار ہے اصولوں اور اقدار کا ملک ہے اس ملک کے عہدے دار' اس ملک کے بزرگ' علمائے' اعلام' خطیب' مبلغین یہاں تک کہ بہت سے شعبوں میں جیسے یونیورسٹیاں اور دوسرے مراکز' انقلاب' اسلام اور اصولوں کے لئے حرکت کرتے ہیں۔ ہمیں پتہ ہے مسلح افواج بھی اصولوں کے مظہر ہیں۔

سپاہ کے جو اپنے روشن ماضی کے ساتھ ایسے لشکروں میں سے ایک ہے جن کی صورت حال معلوم ہے۔ انہوں نے کس قدر زحمت گوارا کی ہے۔ کس قدر اہمیت اور اصول پیدا کئے ہیں آج بھی ان کو چاہئے کہ اصولوں کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔

یہ اس بات کا ایک اجمال ہے جو (باتیں) بنیاد قرار پائیں۔ کہ ایام محرم الحرام کی مناسبت سے عرض کریں البتہ وہ مقدار کہ جو ہم نے عرض کی بہت مختصر تھا۔ اگرچہ وقت کسی قدر زیادہ ہو چکا ہے ہم سے بار بار مسلسل یہ کہا بھی جا رہا ہے کہ ہم اپنی تقریر مختصر کریں۔ اس لئے کہ تھکیں نہیں اس چیز کی حقیقت بھی یہی ہے کہ

میں مصلحت نہیں سمجھتا کہ خود کو تھکا دوں۔ تاکہ دوسرے کاموں کو انجام دے سکوں ولیکن انسان کو جبکہ وہ کسی ایسی مجمعے میں بیٹھا ہو۔ جہاں آپ جیسے جمع ہوں تو وجد طاری ہوتی ہے اور تھکن کا احساس نہیں کرتا۔

ذات خداوند تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ آپ سب کو کامیاب قرار دے گا خداوند متعال انشاء اللہ روح حضرت امامؒ کو انبیاء و اولیاءؑ کے ساتھ محشور فرمائے۔

والسلام

امام خمینیؒ نے فرمایا :۔

- اس محرم کو زندہ رکھیے۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اسی محرم کی بدولت ہے۔
- محرم و صفر ہی ہے جس نے اسلام کو بچا رکھا ہے۔
- حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کی شہادت نے مکتب (اسلام) کو زندہ کر دیا۔
- عاشورا کو زندہ رکھنا بڑا اہم سیاسی و عبادی مسئلہ ہے۔
- انقلاب اسلامی ایران 'عاشورا اور اس کے عظیم الٰہی انقلاب کا ایک پرتو ہے۔
- یہ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا مقدس خون ہے جو تمام اسلامی ملتوں کے خون میں جوش و حرارت پیدا کرتا ہے۔

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔ کراچی